www.neweramagazine.com

حیا

از سیدہ انعم بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیام

از سیدہ انعم بخاری

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

چاند کی چاندنی پورے کمرے میں بکھری عجب فسوں بکھیرے ہوئے تھی۔ہوا کے جوش سے لہراتے پردے جب ہولے سے ذرا اوپر کو اُٹھتے تو اندر کا منظر نمایاں ہوتا۔ کمرے کا فرش سیاہی بکھرے کاغذات سے بھرا ہوا تھا، شاید وہ خطوط تھے۔

سید زادے!

کاش کہ دنیا والے محبتوں کی عزتیں پامال کرنا ترک کر دیں، مگر کاش۔۔۔یہ کاش تو وہ ہے جو تمام محبت پرست لوگوں کا ہے۔ایک کاش تو فقط میرا ہے کہ کاش محبت کی امین لڑکیاں کبھی کسی کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھیں کیونکہ گر وہ دیکھ جائیں گی تو پھر دامن داغدار تو ہوں گے نا؟کاش کہ مر جانے والے سچ میں مر گئے ہوتے تو عشق کی منزل کو جاتا ہر راستہ ایک ایسی دیوار کھڑی کر دیتا جس کو پار کرنا مر جانے کے جیسا ہوتا۔۔۔ اتنے کاش ہیں کہ۔۔۔۔۔

آگے کا خط دھندلاہٹ سموئے ہوئے تھا شاید کہ لکھنے والے کے آنسو کہے الفاظوں کو دھو ڈالنا چاہتے تھے، ہمیشہ کے لیے۔۔۔۔

"حیام۔۔۔حیام اُٹھ جاؤ۔۔۔"

نائلہ بخاری اپنی اکلوتی بیٹی کے کمرے کو درست کرتے ہوئے اُسے اُٹھانے کی بھرپور

کوشش بھی کر رہی تھیں۔

"اُٹھ رہی ہوں اماں۔۔۔"

وہ بھی نجانے کس سے نہ اُٹھنے کی شرط لگا کر سوئی تھی۔

"اُٹھ جاؤ حیام۔۔۔یونیورسٹی سے بھی چھٹی ہو گئی ہے تمہارے یہ اُٹھ رہی ہوں کے چکر میں۔گھر کے تمام افراد اپنے اپنے کاموں کو ہو لیئے مگر ایک تم ہو، کس مٹی سے بنی ہو؟؟"

اب اُن کا پارہ چڑھ چکا تھا اور یہ تو اُس کے لیے معمولی بات تھی۔

"اچھا میری پیاری اماں۔۔یہ لیں میں اُٹھ گئی ہوں۔اب تو خوش ہو جائیں۔۔۔"

اُس نے لاڈ سے اپنی ماں کے گرد بانہیں پھیلائیں اور وہ بھی تو ماں تھیں، وہ کیسے اپنی اولاد سے زیادہ دیر تک ناراض رہ سکتی تھیں۔اولاد بھی وہ جو اکلوتی تھی اور بڑی منتوں مرادوں سے ملی تھی۔اُس میں تو گھر کے تمام افراد کی جان بستی تھی۔

"چلو جلدی سے فریش ہو جاؤ، میں تمہارے لیے ناشتہ لگواتی ہوں۔"

"نہیں رہنے دیں۔ناشتہ آج میں خود بناؤں گی اور آپ کو بھی کرنا پڑے گا۔"

"میں کر چکی ہوں حیام۔۔"

کمرہ ایک مرتبہ پھر پہلی سی حالت میں واپس آ چکا تھا۔

"میرے ہاتھوں سے بھی نہیں کریں گی۔۔؟؟"

وہ معصوم صورت بنائے، آنکھوں کو گھماتی سیدھا اپنی ماں کے دل میں اتر رہی تھی۔

"اچھا میری جان۔۔۔!! پہلے فریش تو ہو جاؤ۔"

اور پھر وہ تیار ہونے لگی جبکہ نائلہ بیگم نے دوبارہ باورچی خانے کا رُخ کیا۔

بخاری ہاؤس میں دو خاندان آباد تھے جو کہنے کو ہی بس دو تھے، اصل میں دو جسم ایک جان تھے۔ رشتوں میں پیار اور محبت تو ایسے پائی جاتی تھی جیسے نفرتوں کا جہان آباد ہی نہ تھا۔

ایک فیملی حسن بخاری کی تھی۔ اُن کی بیگم ندا، جو کہ ایک سلیقہ مند عورت تھیں، ہر طور معیار پر کھرا اُترتی تھیں۔ حسن صاحب اور ندا بیگم کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا آرز حسن اور دوسرا بیٹا بازل حسن تھا دونوں پڑھائی مکمل کرنے کے بعد اب فیملی بزنس سنبھالتے تھے جبکہ تیسرے نمبر پر مشعل حسن آتی تھی۔

دوسری فیملی حسن بخاری کے چھوٹے بھائی مصطفیٰ بخاری کی تھی۔ اُن کی زوجہ نائلہ

بخاری کے ساتھ اُن کی پسند کی شادی ہوئی اور اُن کے گھر شادی کے کافی عرصہ بعد حیام بخاری کی پیدائش ہوئی۔

حیام اور مشعل دونوں ہم عمر تھیں اور دونوں کی دوستی کی پورے خاندان میں مثالیں دی جاتی تھیں۔ حسن صاحب اور مصطفیٰ صاحب نے اپنے آپ کو بزنس سے الگ کر لیا تھا۔ آرزا اور بازل دونوں مصطفیٰ صاحب کو اپنے بیٹوں جیسے عزیز تھے اور سچ بات تو یہ تھی کہ کبھی اُن دونوں نے بھی اُنہیں بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔

حیام آگے آگے تھی جبکہ مشعل پیچھے پیچھے۔ پورے گھر میں دونوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ ہنس بالکل نہیں رہی تھیں بلکہ مشعل کا غصے سے بُرا حال تھا۔ اُسے یونیورسٹی اکیلے جو جانا پڑا تھا۔ اب وہ کیا کہتی کہ مجھے حیام محترمہ کے بغیر نہیں جانا، میرا دل نہیں لگتا وہ بھی آرز حسن سے۔۔۔ ناں، اس سے تو اچھا تھا وہ خودکشی کر لیتی۔

"حیام تم مجھ سے نہیں بچو گی۔۔۔"

"اچھا میری ماں۔۔۔ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ پکا وعدہ۔۔۔۔" پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان وہ مشکل سے بولی۔ بھاگ بھاگ کر وہ اب تھک چکی تھی۔

"ایسے کیسے معاف کر دوں؟؟ تمہاری وجہ سے مجھے اکیلے وہ جو بکواس لیکچرز سُننے پڑے

اور پھر اُس دوران سونے پر جو میری عزت افزائی ہوئی، وہ بھی پوری کلاس کے سامنے، وہ؟؟؟" بیچاری کے دکھ تو سچ میں بہت بڑے تھے۔

"لو، تو غلطی تو تمہاری ہے نا تم کیوں سوئی؟؟"

وہ شاید سچ میں پٹنا چاہتی تھی۔

"اب کون وہ بونگے سے لیکچرز سُنتا۔ تم ہوتی تو ہم کچھ بُرائیاں ہی کر لیتے۔"

حیام جو سمجھی تھی کہ مشعل کا غصہ اُڑن چھو ہو چکا ہے مزے سے جوس کا گلاس ٹیبل پر سے اُٹھائے کھڑی تھی جو کہ اس اچانک اُفتاد کی بناء اُسے پہلے پینا نصیب نہیں ہوا تھا۔ مگر اب دوبارہ مشعل کے اچانک حملے سے بُری طرح پھنس چکی تھی کیونکہ دھکا لگا تھا اور پورا گلاس عین پیچھے کھڑے آرز حسن کو نوش ہو چکا تھا۔

"سس۔۔ سس۔۔ سوری۔۔۔" آرز کے تاثرات دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

"اندھی ہو کیا تم۔۔؟؟ نہیں نہیں، میں اندھا ہوں۔"

وہ شاید نہیں یقیناً اُس پر طنز کر رہا تھا۔

"ہیں۔۔؟؟ آپ کب سے اندھے ہیں؟؟ یہ بات مجھے کیوں نہیں پتا؟؟" وہ چلتی پھرتی پاگل پن کی پوری دکان تھی۔

"تم کیا چیز ہو حیام۔۔؟؟"اس سے پہلے وہ کچھ بولتی، وہ چلا گیا۔اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ دن بھر کی تھکان کے بعد وہ اُس پر وقت ضائع کرتا۔

گرمیوں کی راتیں آہستہ آہستہ خود میں سرما کی ٹھنڈک سمونے لگیں تھیں یا شاید راتیں ہمیشہ سے ہی ٹھنڈی ہوا کرتی تھیں۔وہ رات گئے اندھیرے میں بیٹھے چاند کو تکنے میں مصروف تھی۔چاند کو دیکھتے وہ ہمیشہ کی طرح اصل دنیا سے کہیں دور اپنا بسیرا کیے ہوئے تھی کہ اپنے نزدیک قدموں کی چاپ تک نہ سُن سکی۔

"ٹائم دیکھا ہے کیا ہو گیا ہے۔۔؟؟"
آرز کی آواز نے اُس کے مشغلے میں خلل ڈالا۔

"ہمم۔۔معلوم نہیں۔کیا کہا۔۔؟؟"شاید اُس نے سُننے میں غلطی کی تھی، لیکن بہت جلد وہ اپنے حواسوں میں واپس آ گئی۔

"میں نے کہا ٹائم دیکھا ہے؟؟"

وہ حیام کو مستقل گھوریوں سے نواز رہا تھا اور اُس حیام کی تو جیسے جان پر بن آئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ہاں۔۔۔نہیں۔۔مطلب بس وہ میں تو۔۔میرا اندر دم گھٹ رہا تھا۔"

اُس آدمی کے سامنے وہ ہمیشہ بوکھلا جایا کرتی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا۔لگاتار پچھلے پانچ سالوں سے تمہارا دم ہی تو گھٹتا ہے اندر۔کہو تو چاند پر گھر بنوادوں۔۔؟؟"

وہ اب بھی اپنی گھوریاں ہنوز برقرار رکھے ہوئے تھا۔

"ہیں سچی۔۔؟؟بنوادیں گے۔۔؟؟آرز بھائی آپ کتنے اچھے ہیں۔۔۔۔"

اپنی رُو میں بولتی نجانے کب اُس کی نظر آرز پر ٹھہری اور اس عظیم انسان کے خطرناک تیور دیکھتے ہی زبان تالو سے چپک گئی۔

"چلتی ہوں،شب بخیر۔۔۔"

کہتے ہی دوڑ لگائی کہ کہیں آرز کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔

"پاگل لڑکی!"اب آرز حسن چاند کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا،جوں ہی اُسے احساس ہوا خود کو کوستا اندر کا رخ کر گیا۔

"صبح بخیر۔۔۔"

اگلے دن وہ پورے ٹائم پر ناشتہ کے لیے سب کے ساتھ موجود تھی۔شاید مشعل کی

ناراضگی کا ڈر تھا۔

"حیام سلام۔۔۔"

نائلہ بیگم نے اُسے ٹوکا۔

"وعلیکم السلام اماں!" کہتے ساتھ ہی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور ناشتہ دیکھ کر ایسی بھوک چمکی تھی جیسے کئی سالوں سے بھوکی ہو جبکہ بقیہ افراد کے چہروں پر دبی دبی سی مسکراہٹیں تھیں، سوائے آرز حسن کے۔

"حیام، سلام۔۔۔"

نائلہ بیگم نے ایک بار پھر اُسے ٹوکا۔

"اماں یہ شاعری کے قافیے کبھی اور ملادوں گی۔ ناشتہ کرنے دیں۔"

لیکن جیسے ہی اپنی ماں کے چہرے پر نظر پڑی ساری بھوک ارمانوں کی طرح جھاگ بن کر بیٹھ گئی۔

"اسلام وعلیکم!! سب کو۔۔ معصوم بچی ہوں نا بھول جاتی ہوں۔"

"وعلیکم السلام!! بالکل، اب آپ کھا سکتی ہیں۔" یہ جواب بازل کی جانب سے آیا تھا۔ بازل اُسے ہمیشہ سے مشعل کی طرح اپنی بہن ہی سمجھتا تھا۔

"آپ ہی تو میرے اصلی بھائی ہیں، سگے والے۔اس گھر میں میرا کوئی اپنا نہیں۔ہائے! میں کہاں جاؤں۔۔۔؟؟؟"

ایک مرتبہ پھر ماں کی گھوریوں کا رخ اپنی جانب پا کر خاموش ہونا ہی بہتر سمجھا۔

"ارے کیوں گھور رہی ہو اسے۔بچی ہے، نائلہ!" ندا بیگم نے پیار سے مجبور ہو کر درمیان میں بولنا ضروری سمجھا۔اس سے پہلے کہ کوئی کچھ اور کہتا وہ یونیورسٹی چلنے کے لیے اُٹھ گئی۔

"اوئے مشعل!! بس کر دے میری ماں۔دیر ہو رہی ہے۔"

"خود تو کھا لیا مجھے تو کھانے دو۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام کچھ اُٹھا کر مارتی اس ڈر سے وہ اُٹھ چکی تھی۔

گرمی جو پچھلے کچھ دنوں سے کہیں منہ چھپائے بیٹھی تھی ایک بار پھر سے اپنے پر پھیلائے جلوہ گر ہو چکی تھی۔اس گرمی سے بے حال وہ دونوں گرتی پڑتیں یونیورسٹی کے کیفے تک کیسے پہنچیں یہ بس اُنہیں ہی معلوم تھا۔

کیفے میں داخل ہوتے جو پہلی ٹیبل خالی نظر آئی حیام اُسی پر ڈھیر ہو گئی اور ساتھ ہی

مشعل کے لیے حکم بھی جاری کیا۔

"مشعل!! میرے لیے ایک ٹھنڈا ٹھار جوس۔ شکریہ۔۔"

وہ آنکھیں موندے بہت آرام سے کہہ گئی۔

"کیوں بھئی!! میں بھی تھک گئی ہوں۔ آخر کو انسان ہوں۔" شاید اُس نے بُرا منا لیا تھا۔

"اچھاا۔۔۔!! تم انسان ہو۔۔؟؟" وہ اپنی انسانی جُون میں واپس آچکی تھی۔

"حیام نہ کرو۔" ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔

"اچھانا مشعل، معاف کر دو۔ غلطی ہو گئی۔" لیکن وہ ہنوز اُسی حالت میں بیٹھی رہی۔

"نہ کرو مشعل! تمہیں معلوم ہے تمہارے بغیر حیام بخاری کچھ بھی نہیں۔" آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔

"تم رو رہی ہو؟ میں مذاق کر رہی تھی حیام۔۔۔۔ دیکھو کیا میں مذاق نہیں کر سکتی؟" وہ اُس کی آنکھوں میں آنسو کہاں دیکھ سکتی تھی۔

"تم ناراض تو نہیں ہونا۔۔؟؟" اُسے قدرے حوصلہ ہوا۔

"نہیں یار۔"

اُن دونوں کی دوستی ایسی ہی تھی، کٹھی میٹھی سی، ہر جھوٹ اور فریب سے پاک۔ ہنستے کھیلتے کب وقت گزر گیا، وہ دونوں لاعلم تھیں۔

"بازل!"

"یس۔ آرز تم ہو، آجاؤ یار۔ دروازے پر کیوں کھڑے ہو؟؟"

اُسے وہیں کھڑے دیکھ بول پڑا۔

"نہیں یار تم بس میرے ساتھ چلو۔ ضروری کام ہے۔"

"اچھا، ٹھیک ہے۔ تم چلو میں آتا ہوں تمہارے آفس میں۔" وہ شاید کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔

"یار سب کام چھوڑ دو۔ ہمیں مال جانا ہے۔"

"وہ کیوں؟؟؟"

"یہ مت کہنا کہ تم بھول گئے ہو۔ امی اور ابو کی شادی کی سالگرہ ہے ویک اینڈ پر۔ ابھی تمام تیاریاں رہتی ہیں اور تحفے بھی۔"

"اُف!! میں بھول کیسے گیا۔۔۔۔ چلو چلیں۔"

تمام ضروری کاموں کو بھاڑ میں جھونک، وہ دونوں شاپنگ کے لیے نکل پڑے۔

"حیام۔۔۔!"

مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئی اور سامنے کا منظر اُس کے لیے کوئی انجان نہیں تھا۔ حیام ہمیشہ کی طرح اپنے بستر پر آڑھی ترچھی سوئی ہوئی تھی۔

"اُف، حیام۔۔۔۔ مغرب ہونے کو آئی ہے، اُٹھ جاؤ کتنا سوؤ گی۔۔؟؟" وہ ساتھ ساتھ تمام کھڑکیاں کھولتی گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اُٹھ رہی ہوں مشعل۔ آہستہ بولو یار۔۔۔۔"

اُسے اپنی نیند میں خلل بُرا لگا تھا، ہمیشہ ہی لگتا تھا۔

"حیام! اُٹھ جاؤ نا۔ سب اکھٹے بیٹھے ہیں نیچے۔ بھائی لوگ بھی آ گئے ہیں۔" وہ اب منتوں ترلوں پر آ گئی۔

"یہ لو آ گئی۔"

"کہاں۔۔؟؟"

"مطلب، اُٹھ گئی ہوں۔ چلو نیچے۔"

"منہ ہاتھ تو دھولو۔" مشعل کو شک ہوا وہ اب بھی نیند میں ہے۔

"نہیں، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ چلو بھی اب۔۔۔" اور ساتھ ہی مشعل کو لے کر کمرے سے نکل پڑی۔

تمام گھر کے افراد باتوں میں مصروف تھے جبکہ آرز بازل کے ساتھ بزنس سے متعلق بات چیت کرنے میں لگا ہوا تھا۔ حیام اور مشعل کسی بات پر مسکراتے ہوئے ہال میں داخل ہوئیں۔

(کتنی پیاری مسکراہٹ ہے اس پاگل لڑکی کی۔ خدا اِس مسکراہٹ کو صدا سلامت رکھے۔) نجانے کب وہ دل ہی دل اُس کی خوشیوں کی دعا کر گیا لیکن پھر چونکا، وجہ اُسی جھلی لڑکی کی آواز تھی جو لیونگ روم کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی۔

وہ ایسی ہی تو تھی، جہاں جاتی تھی مسکراہٹیں اُس کا پیچھا کرتی تھیں۔ جہاں بیٹھتی تھی وہاں خوشیاں اپنے پنکھ پھیلایا کرتی تھیں۔ وہ شاید بنی ہی مسکرانے کے لیے تھی۔ اس بات کا اعتراف آرز حسن نے آج خود سے کیا تھا اور اپنی توجہ واپس بازل کی جانب مرکوز کی۔

"تائی جان! پلیز مان جائیں نا۔ اس مرتبہ ہم آپ لوگوں کی ویڈنگ اینیورسری گرینڈ کریں گے۔ پلیز۔۔۔!"

وہ ندا بیگم کو قائل کرنے کی بھرپور کوشش میں لگی تھی۔اُسی لمحہ آرز کی نظریں بازل سے جاملیں،وجہ بس یہی تھی کہ وہ لڑکی اُن دونوں کا سرپرائز خراب کرچکی تھی۔

آرز حسن نے خود کو لعنت ملامت کی کہ آخر کیوں وہ اپنا وقت اس لڑکی کو سوچتے ضائع کررہا ہے۔

سید زادے!

محبت کا جوگ آخر ہوتا ہے،تو کیا ہوتا ہے؟؟لوگ دردر بھٹکنے کو افسانوں میں کیوں ڈھال دیتے ہیں؟پاگل ہیں نا،اس قدر کم عقل ہیں کہ۔۔۔

محبتوں کی بھی کبھی قیمتیں لگا کرتی ہیں۔۔؟؟تماشے تو روگ نہیں ہوا کرتے۔۔؟؟

جوگ تو رانجھے سا ہوتا ہے،نہ نظر آتا ہے اور نہ ہی تشہیر۔۔جوگ تو لیلیٰ سا ہوتا ہے، بدصورت مگر اُس سا حسین نہ کبھی دیکھا نہ کبھی پایا۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

دلہن بنے،مہندی لگے ہاتھوں سے کوئی یہ خط لکھے تو پھر سمجھو ڈولی نہیں جنازے کے

انتظامات مکمل ہوئے جاتے ہیں۔

چشم عبرت سے دیکھ پردہ نشیں

شکل تابوت کی ہے ڈولی میں

(شاد لکھنوی)

فنکشن کا اہتمام بڑے زور و شور سے کیا گیا تھا۔ سب مہمان موجود تھے۔ گھر کے لان کو خوب سجایا گیا تھا۔ ہر سو پھولوں کی مہک گوندھی ہوئی تھی۔ گھر کے تمام افراد اپنی سی تیاری کیے شاندار لگ رہے تھے۔ سب موجود تھے، کمی تھی تو بس حیام محترمہ کی جو نجانے کن تیاریوں میں مصروف تھی۔

آرز حسن بلیک فور پیس پہنے فنکشن میں موجود تمام افراد کی توجہ کا مرکز تھا۔ وہ ویسے بھی ہینڈسم تھا مگر آج کچھ زیادہ ہی جچ رہا تھا۔ وہاں موجود کوئی نظر ایسی نہ تھی جو اُس پر نہ اُٹھی ہو، مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔۔۔ مجال تھی جو کسی کو نگاہ اُٹھا کر دیکھتا۔

"مشعل گڑیا!! کدھر جا رہی ہو؟" مشعل کو اندر کی جانب جاتا دیکھ کر اُسے روکا۔

"بھائی۔۔! حیام ابھی تک نہیں آئی۔ اُسی کو بلانے جا رہی ہوں۔ پتا نہیں کتنا تیار ہو گی

یہ لڑکی۔۔۔"

غصہ چہرے پر سجا ہر دیکھنے والے کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔ ہرے رنگ کا گھیرے دار فراک پہنے جس پر کندن کا کام ہوا تھا، ڈوپٹہ پھیلائے ہوئے جس کا ایک کنارہ سر پر ٹکا تھا۔۔۔ وہ اپنے بھائی کو جان سے پیاری لگ رہی تھی۔

حیام اور مشعل کو ہر قسم کی آزادی مہیا تھی مگر اُن کے لیے متعین کردہ حدودوں سے وہ بخوبی واقف تھیں۔ فنکشن میں باقی تمام خاندان والے بھی موجود تھے تو ڈوپٹہ لینا لازم تھا، آخر کو وہ سید زادیاں تھیں۔ چاہے جتنا کوئی اس دنیا کی چمک دمک میں کھو جانا چاہے کوئی نہ کوئی شے تو ہوتی ہے جو زنجیر کی صورت اپنے اصل سے جوڑ کر رکھتی ہے، پھر چاہے وہ اچھی لگے یا نہ۔

"تم ادھر ہی رہو، میں جاتا ہوں۔" شاید اُسے بھی کوئی کام تھا جس کے لیے وہ پردے پر سے ہٹنا چاہتا تھا۔

"پکی بات ہے۔۔؟؟" تسلی کرنا ضروری تھا۔

"ہاں! میں دیکھتا ہوں۔ تم انجوائے کرو۔" وہ کہتا ہوا اندر کی جانب چلا آیا۔

ابھی وہ سیڑھیاں چڑھنے ہی لگا تھا جب اُس کی نگاہ اُٹھی اور سامنے کا منظر اُس کے لیے نیا تھا، نہیں شاید دل کے لیے نیا تھا۔ نگاہوں نے تو کئی بار یہ سب جانچا تھا مگر آج دل

بھی ٹھہر گیا تھا۔کائنات شاید پل دو پل کے لیے سانس لینا چاہتی تھی،مانو دنیا رک گئی تھی۔ماننا مشکل تھا وجہ آرز حسن تھا،اُس کی کائنات کیونکر رک سکتی تھی۔

سکائی بلیو رنگ کا گاؤن جو کہ پاؤں کو چھوتا تھا، بالکل سادہ، ہم رنگ ڈوپٹہ اوڑھے جو کہ بس نام کا ہی سر ڈھک رہا تھا، زینوں میں کھڑی سامنے کھڑے آرز حسن کا دل دھڑکا گئی تھی۔گاؤن کے گلے دامن پر نیلے گلابوں کا گلشن آباد تھا جو کہ بامشکل ہی نظر آتا تھا، وجہ ڈوپٹہ تھا جس نے حیام کا چلنا دوبھر کیا ہوا تھا۔وہ گرنے ہی والی تھی جب آرز نے اُسے سنبھالا۔حیام کا ماتھا اُس کے شانوں سے ٹکرایا، کانوں میں موجود بالیوں نے بے چینی سے پہلو بدلے اور کلائیوں میں بھر بھر کر پہنی چوڑیوں میں الگ جنگ شروع ہو گئی۔وہ کئی مرتبہ اُس لڑکی کو دیکھ چکا تھا مگر آج دل کسی اور نگر کو چل نکلا تھا۔

"سنبھل کر۔ابھی گر جاتی۔۔۔۔"وہ اب اُسے بانہوں کے گھیرے سے آزاد کر چکا تھا۔دل نے اس عمل کی تردید کی مگر کیا کرتا۔

(میں گرنے دیتا کیا۔۔؟؟)دل نے اپنا جواب سنایا۔

"ہاں،وہ بس یہ ڈوپٹہ پاؤں میں آگیا تھا۔"

وہ اُسے دیکھ ہی کب رہی تھی،بس دوپٹے کی رٹ لگائے اُسی میں الجھی ہوئی تھی۔

آرز نے اُسے روکا اور اُس کا آنچل کھلے بالوں پر یوں پھیلایا جیسے سامنے کوئی دلہن ہو اور

اُسے یہ حق ہو کہ اُس دلہن کو اپنے ہاتھوں سے سجائے۔ایک پلو اُس کے دامن پر سے گزرتا اُس کے کندھے پر ڈھے جاتا تھا مقصد شاید اُس کی رکھوالی تھا۔وہ سٹپٹائی۔سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں کچھ عجب تھا،جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"آرزبھا۔۔۔بھائی۔۔۔وہ۔۔۔وہ شکریہ۔۔" کہتی ہوئی باہر کو بھاگ گئی۔

یہ منظر آرز کی آنکھوں کو برا لگا تھا۔وہ اُسے اپنی بانہوں میں کسی قیمتی شے کی مانند زندگی بھر قید کرنا چاہتا تھا۔وہ اپنے دل کی بدلتی کیفیت پر خود حیران تھا۔کہاں وہ اُس لڑکی کو ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکتا تھا اور کہاں اب یہ الگ سی خواہش دل میں اجاگر ہوئی تھی۔وہ کس کام کے لیے آیا تھا سب بھول گیا تھا اور اب یاد بھی کہاں آنا تھا۔

وہ بے چین تھی۔وجہ وہ جانتی تھی مگر دل ماننے سے انکاری تھا۔آرز کی خود پر اُٹھتی نگاہوں کا مفہوم وہ سمجھ رہی تھی۔وہ پاگل ضرور تھی مگر اتنی بیوقوف بھی نہیں کہ خود پر پڑتی نظروں کو وہ پڑھ نہ سکتی۔اُس شخص نے کبھی پہلے تو اسے یوں نہ دیکھا تھا۔بے چینی دبے قدموں شاید اُسی کے پہلو میں آ بیٹھی تھی۔

"کیسی ہو حیام۔۔؟؟" اپنا نام سن کر خیالوں کی دنیا سے لوٹی۔

"آہ۔۔پریشے۔۔۔!! کیسی ہو تم۔۔؟؟"

پریشے مشعل کی خالہ زاد تھی اور اُسے اچھی بھی لگتی تھی مگر پھر بھی وہ اُس سے لیا دیا برتاؤ رکھتی تھی وجہ وہ ہمیشہ جاننے سے قاصر رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ میں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ کیسی ہو؟" مسکراتے ہوئے کہا گیا۔ وہ ایسی ہی تھی کبھی کسی بات کا برا منا جائے ہوتا ہی نہیں تھا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔"

ایک مرتبہ پھر خاموشی نے اپنا بسیرا کیا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" شاید خاموشی اُسے بری لگتی تھی۔

"شکریہ۔۔!!" حیام نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"تم اتنی خاموش کیوں رہتی ہو حیام؟؟ کیا میری کوئی بات بُری لگی ہے؟" وہ آج درمیان حائل تمام دیواریں گرانا چاہتی تھی۔

"نہیں تمہیں ایسا کیوں لگا؟ مجھے ہر گز کوئی بات بری نہیں لگی۔ اگر تمہیں میرے رویے سے ایسا کوئی بھی تاثر ملا ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔"

وہ آج بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی گئی، رُکی تو وجہ پریشے کی ہنسی تھی۔

"بس کر دو حیام۔ مجھے کوئی بات بُری نہیں لگی۔ بس تم بولتی کم ہو یا شاید صرف میرے

سامنے ہی، مشعل کے ساتھ تو خوب ہنستی ہو۔" وہ ایک بار پھر مسکرانے لگی۔

"ہاں، اُس کے ساتھ تو خوب دوستی ہے میری۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔۔۔" وہ آج پہلی بار اتنا بول رہی تھی۔

"تو پھر مجھ سے بھی دوستی کر لو۔"

پریشے نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ حیام نے مسکرا کر اُس کا ہاتھ تھاما۔ وہ آج حیام کو سچ میں اچھی لگی تھی۔

"دوستی۔۔۔" دونوں مسکرانے لگیں۔ وہ آرز حسن کے بارے میں تمام باتیں بھول چکی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ارے واہ بھئی۔۔۔!! یہاں تو دوستانہ چل رہا ہے۔۔۔"

مشعل نے دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تو خوشگوار حیرت سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"تم ہماری باتیں سن رہی تھی۔۔۔؟؟ ناٹ فئیر۔۔"

حیام نے مسکراہٹ دبائے چہرے پر ناراضگی ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

"جی بالکل اور اب میں لڑائیاں کرواؤں گا۔۔۔"

بازل اور آرز بھی وہیں آ پہنچے اور بازل اپنی شرارتی طبیعت کے باعث میدان میں اُتر چکا

تھا۔

"بالکل نہیں، ہم نہیں لڑیں گے۔"پریشے بھی کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔

حیام بھول گئی تھی کہ وہاں کیا بات ہو رہی ہے یا کون بول رہا ہے وہ تو بس خود کو آرز حسن کی نظروں کی تپش سے جلتا محسوس کر رہی تھی۔

سید زادے!

یہ محبت کی پہلی نظر کیا ہوتی ہے؟؟ مجھے تو لگتا ہے کہ سرما کی دھوپ سی ہوتی ہو گی۔۔۔جب سورج کی پہلی کرن کی مانند محبوب کے دل پر پڑتی ہو گی تو دل کی تمام کھڑکیاں خود بخود اُسے راستہ دینے کو کھل جاتی ہوں گی۔یا پھر خزاں میں گرتے پتوں سی۔۔جو بے جان ہو کر شاخ سے گر پڑتے ہیں مگر بھلے لگتے ہیں۔وہ نظر بھی شاید دل میں گھر کر جاتی ہو گی۔

یا پھر گرما کی راتوں سی ٹھنڈی۔۔جیسے گرمی کی حدت کو سموئے آہستہ آہستہ دن ڈھلتا ہے تو راتیں سکون بخش ہو جاتیں ہیں، یوں ہی وہ سرد نگاہوں سی رفتہ رفتہ پگھلتی ہوں گی اور اپنے ساتھ سامنے والے کو بھی محبت کی چنگاریوں سے عشق کی لو دیتی ہوں گی۔

یا وہ نظر بہار سی بھی تو ہو سکتی ہے، بہار سی رنگ برنگی۔محبت کی قوسِ قزح دل کے

آسمان پر سجادیتی ہو گی۔

آپ کی محبت بھی میرے دل کو یہی طمانیت بخشتی ہے۔۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

فنکشن اپنے اختتام کو کب پہنچا، کسی کو خبر نہ ہوئی۔رات میں ندا بیگم نے حسن صاحب سے بات کا آغاز کیا تو موضوع آرز حسن کی شادی تھا۔

"حسن!!آپ کو نہیں لگتا کہ اب ہمیں آرز کی شادی کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے ماشاءاللہ سے اب وہ مکمل طور پر سیٹل ہو چکا ہے اب مزید انتظار کیوں کرنا۔۔؟؟"

"کہتی تو آپ ٹھیک ہیں ندا بیگم لیکن آپ پہلے برخوردار سے اُن کی رائے لے لیں۔ کہیں بعد میں غصہ نہ کر جائے۔"

حسن صاحب اپنے بیٹے کی مرضی کے خلاف کہاں جا سکتے تھے۔

"ہمم۔۔۔پوچھ لوں گی۔میں ایک بات اور سوچ رہی تھی۔"

"وہ کیا۔۔؟؟"سوال پوچھا گیا۔

"لگے ہاتھوں کیوں نا بازل کے لیے حیام کا ہاتھ بھی مانگ لیں؟ میری بہت خواہش ہے کہ وہ میری بیٹی بن جائے۔۔۔۔۔"

ندا بیگم کے لہجے میں اُس کے لیے صرف محبت ہی محبت تھی۔

"خواہش تو میری بھی بہت ہے کہ وہ میرے کسی ایک بیٹے کی امانت ہو جائے۔ جیسے آپ کو مناسب لگے کر لیتے ہیں۔ آرز کے لیے کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں۔۔؟؟"

"پری۔۔۔۔" مسکرا کر بتایا گیا۔

"بہت پیاری بچی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

پریشے رحمان ندا بیگم کی بہن شمائلہ کی بیٹی تھی۔ شمائلہ بیگم کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی پریشے جسے سب پیار سے پری کہتے تھے۔ پھر دوسرے نمبر پر سعد تھا جو کہ آرز اور بازل کی طرح ہی اب فیملی بزنس دیکھتا تھا۔ اور پھر تیسرے نمبر پر آرزو تھی جو کہ میٹرک کی طالبہ تھی۔ شمائلہ بیگم کے شوہر کچھ سال پہلے انتقال کر چکے تھے سو گھر کی تمام زمہ داریاں اب سعد کے کاندھوں پر تھیں۔

اگلے کتنے ہی دن وہ خود کو سمجھاتا رہا کہ یہ سب غلط ہے، وہ بھائی ہے اُس کا، بہن سمجھتا ہے وہ اُس کو مگر دل بھی ہر سوال پر حاضر جوابی کا مظاہرہ کیے ہوئے تھا۔ دل کہتا تھا کہ

تم بھائی ہو پر سگے تو نہیں ہو۔ بہن سمجھتے ہو پر بہن ہے تو نہیں وہ۔ آرز اپنے ذہن اور دل کے درمیان گھن چکر ہوا گھومتا رہا۔

وہ خود کو یہ منانے کے لیے بضد رہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا مگر دل بھی کبھی کسی کی سنتا ہے، اُسے اپنی پسندیدہ روح مل گئی تھی۔ وہ اُس نگر کو چل نکلا تھا جہاں سے منزل تک کا راستہ دشوار اور کٹھن تھا مگر کیا کر سکتا تھا۔۔؟؟ آخر آرز حسن نے یہ بات جان لی تھی کہ اُسے محبت نامی بلا نے چمٹ لیا تھا۔ یہ انکشاف اُس کے لیے حیرت کن ضرور تھا مگر خوشگوار بھی۔ وہ اُس پاگل لڑکی کی حرکتیں یاد کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ وہ جی بھر کے حیران ہوا کہ وہ چڑ نہیں رہا تھا اب۔۔۔ اب تو بس مسکراہٹ رہ گئی تھی۔ کوئی اُسے ہنستے ہوئے دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔

بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی وہ خلا میں گھور رہی تھی اور سوچ کے تمام زاویے آرز حسن پر ٹکے تھے۔ وہ تمام خدشات کے لیے خود کو تیار کرنا چاہتی تھی مگر بضد تھی، وہ یہ ماننا بھی نہیں چاہتی تھی کہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن اُسے کون سمجھاتا کہ محبت کی دیوی جب اپنے پر پھیلاتی ہے تو اُن پروں کے سائے میں آنے والے تمام ذرات بھی محبت کی گواہی لے آتے ہیں تو یہ کیونکر ناممکن ہو سکتا تھا کہ جیتے جاگتے انسان محبت سے منہ پھیر لیتے۔ مگر پھر محبت کی دیوی نے اپنا جادو پھونک ڈالا اور حیام بخاری اُس کی زد میں آ گئی۔ وہ اُس

رات کے تمام واقعات ذہن میں دہرانے لگی اور ہر اُس موقع پر مسکرا دیتی جب جب آرزنے اِسے نگاہ بھر کر دیکھا ہوتا۔ایسے میں مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بڑی بات ہے۔۔۔ایسا تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ حیام صاحبہ سوئی ہوئی نہیں پائی گئیں۔"

مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا گیا۔

"میں سوئی ہوئی ہوں مشعل۔۔۔!!"چہرہ اب بھی جوں کا توں تھا،دیکھنے کی زحمت گوارہ تک نہ کی۔

"ہاں،اب کھلی آنکھوں بھی لوگ سویا کرتے ہیں۔"

مشعل بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔

"ہمم!!میری تو اب سب نیندیں اُڑ گئی ہیں مشعل!!اب مجھے کھلی آنکھوں ہی سونا ہو گا۔"

لبوں پر مسکراہٹ نے اپنا گھر بسا لیا۔

"کیوں۔۔؟؟؟محبت ہو گئی ہے کیا تمہیں۔۔؟؟"

اس بات سے حیام کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے تھے مگر وہ کیسے اپنی محبت کی

تشہیر کر دیتی۔

"پاگل ہو کیا۔۔؟؟اچھا بتاؤ کہ کیوں آئی تھی؟"اپنے تاثرات چھپائے وہ اُٹھ بیٹھی۔

"میں تمہیں بلانے آئی تھی کہ آجاؤ بازل بھائی کے ساتھ آئسکریم کھانے چلتے ہیں۔"

"ہاں چلو پھر، کس بات کا انتظار کر رہی ہو۔۔؟؟"

آئسکریم کے لیے تو وہ جان دے سکتی تھی فوراً چل دی۔

"اے لڑکی۔۔!!یہ تم کس سے پوچھ کر ادھر آئی ہو؟نکلو یہاں سے۔"

ادھیڑ عمر خاتون جو دکھنے میں ہی بس بوڑھی تھیں، جائزہ لو تو اپنے بڑھاپے کو کہیں دور بھگائے ہوئے تھیں۔سفید بالوں کو کھینچ کر باندھا ہوا تھا،ڈوپٹہ سر پر اوڑھے،انگلیوں کے پور مہندی سے رنگے،ہونٹ پان کا رنگ سمیٹے ایک وسیع برآمدے میں مقیم تخت نما جھولے پر بیٹھی تھیں۔

"رکو،خالدہ کو بھیجو ادھر۔۔۔۔"

جانے والی ملازمہ کو حکم صادر کیا گیا،خود پاندان میں موجود چیزوں کو ادھر اُدھر کرنے میں لگ گئیں۔

"اماں!!آپ نے بلایا۔۔؟"

چہرہ اُٹھا کر سامنے کھڑی عورت کو دیکھا۔آنکھوں میں بھر بھر کر سُرما،چادر نما ڈوپٹہ اچھی طرح اوڑھے جس میں سے بامشکل چہرہ نظر آتا،سامنے کھڑی منتظر تھی۔

"ہاں کتنی بار کہا ہے کہ جب حویلی میں مرد موجود ہوں تو ملازماؤں کو ادھر بھٹکنے مت دیا کرو۔"آواز میں پہلی سی سختی نہیں تھی۔

"اماں غلطی سے آگئی تھی۔اب دوبارہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

سر جھکائے جواب دیا گیا۔

"اچھا سنو،شہر میں گھنٹی بجا دو۔۔۔۔"

اشارہ پاس پڑے فون کی طرف تھا۔

"جی اماں لیکن اتنی صبح وہ کہاں اُٹھے ہوں گے۔"

ذرا بھر کو کھلے آسمان کو منہ اُٹھا کر دیکھا تو دن کی روشنی پھوٹتی ہوئی نظر آئی۔

"رہنے دو خالدہ!شہر والے کیا جانیں کتنی رحمتوں کے نزول سے خالی ہاتھ رہ جاویں ہیں وہ سب۔۔"

ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا گیا مگر پھر فوراً روکا۔

"سنو!! چھوٹے شاہ کو بھیجو میرے پاس۔۔۔"

"جی اماں!" وہ سر جھکائے واپس چلی گئی۔

سفید شلوار قمیض پہنے، کف کہنیوں تک موڑے ہوئے وہ چلتا ہوا حویلی کے برآمدے میں داخل ہوا۔

"سلام اماں۔۔!"

جھک کر اماں کے ہاتھوں کو عقیدت سے چوما۔

"وعلیکم السلام!! جیتا رہ میرا سوہنا لال۔" پاس پڑی تھالی میں سے ایک پوٹلی نما شے اُٹھا کر اُس کے سر پر سے سات چکر وارے، آنکھیں بند کیے کچھ پڑھ کر پھونکا۔

"اووو بشیرا۔۔۔بشیرا۔۔!!" ملازمہ کو آواز دی۔

"حکم اماں جی!!" ملازمہ بھاگتی ہوئی آئی، نگاہیں تمام وقت جھکے ہوئے تھیں۔

"جا، اس کو چولہے پر جلا کر کے راکھ کر دے۔"

ملازمہ کے جانے کے بعد سامنے بیٹھے شخص نے سر اٹھایا، آنکھوں میں عقیدت ہی عقیدت تھی۔

"راکھ کرو اکر کیا کریں گی۔۔؟؟"

"میرے لال پر پڑنے والی ہر نظر سواہ کر دوں گی۔"اب کی بار اُس عورت نے اُس کا ماتھا چوما۔

"سلام! چلتا ہوں۔ شہر جاؤں گا آج۔ حکم کریں تو جو کام فون پر نہیں ہوتا خود کر کے آ جاؤں۔۔"

جانے کو کھڑا ہوا تھا سر جھکائے، بانہیں پیچھے کو باندھے وہ حکم صادر ہونے کا منتظر تھا۔

"نہیں تم نہیں جاؤ گے۔ وہ خود آئیں گے میرے لال، میرے شاہ میر۔۔۔"

جانے کی اجازت دی گئی۔ جانے والے نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا مگر پیچھے رہنے والوں نے آخری لمحے تک نظریں جدا نہ کیں تھیں۔

شاہ حویلی گاؤں کی سب سے بڑی حویلی تھی۔ وہاں کے بسنے والوں کو گاؤں بھر میں عقیدت سے دیکھا جاتا، وجہ اُن کا سادات ہونا تھا۔ حویلی کی عورتیں منہ جھانک کر بھی وہاں سے باہر کی دنیا نہ دیکھتی تھیں۔ گر کبھی کوئی نظر آ جاتی تو چادر کے نام پر کپڑے کا ایک تھان لپیٹے ہوتی تھیں، جس میں سے چہرہ تک نہ دکھتا۔ گاؤں کی تمام عورتیں اماں جی کے پاس اپنے مسائل لے کر آتیں تھیں۔

حویلی بھی کیا حویلی تھی یوں لگتا تھا کہ ایک الگ شہر آباد ہو۔ وسیع پیمانے پر پھیلی

زمینیں، حویلی کے چاروں اطراف دھول اور مٹی اُڑاتی زمین جسے پکانہ کروایا گیا تھا وجہ ہر کوئی جاننے سے قاصر تھا۔ داخلی دروازے سے اندر داخل ہونے والے کو کسی پرانے محل میں جانے کا خدشہ ہوتا مگر سامنے کھڑی عمارت جیتے جاگتے انسانوں کے رہنے کا ثبوت تھی۔ حویلی کے دائیں جانب گاڑیوں کی ایک طویل قطار موجود تھی جبکہ بائیں جانب مردوں کا ڈیرہ تھا۔ بانس کی چھت جبکہ چاروں اطراف پردے ڈھکے تھے یوں اندر بیٹھے نفوس باہر کی دنیا نہ دیکھ سکتے تھے۔ حویلی کے اندر قدم رکھو تو گول چکر میں لمبی لمبی راہداریاں تھیں جن کے ایک جانب وسیع کمرے تھے اور دوسری طرف کی دیواروں پر بھاری پردے لٹکے ہوئے تھے جو برآمدے کو کھلتے تھے۔ سجاوٹ یوں کی گئی تھی جیسے سالوں پہلے کسی محل کو سجایا گیا ہو۔ برآمدے سے اوپر کھلا آسمان دیکھنے کو ملتا۔ سامنے کی راہداری سے اوپری منزل کو سیڑھیاں جاتی تھیں۔

حویلی میں اماں جی کا بسیرا تھا۔ ان کا نام رشیدہ بیگم تھا۔ سادات ہونے کا ہی یہ صلہ تھا کہ آج گاؤں بھر میں عزت سے تمام نفوس اماں جی کہہ کر بلاتے تھے۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ سب سے بڑا بیٹا وقار تھا جسے سب بڑے شاہ کہہ کر بلاتے تھے۔ ان کی زوجہ خالدہ اور انکے دو بچے تھے، بڑا بیٹا شاہ میر بخاری تھا جس کو سب چھوٹے شاہ کہتے تھے۔ اماں جی کا لاڈلا، کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ آنکھ اُٹھا کر اُسے دیکھتا۔ پھر چھوٹی بیٹی آتی تھی مناہل، حویلی کے طور طریقے اُس پر بھی واجب تھے مگر پھر بھی

اپنے بھائی کی لاڈلی تھی۔

دوسرے نمبر پر اماں جی کا بیٹا عمران بخاری تھا۔ جس کی بیوی نفیسہ بیگم تھیں۔ان کی جڑواں بیٹیاں تھیں، منال اور کرن۔۔

جبکہ تیسے نمبر پر بیٹی حاجرہ بخاری آتی تھیں جو کہ بیوہ تھیں اور بے اولاد بھی۔۔۔اسی حویلی میں رہتی تھیں۔گاؤں اور حویلی کے تمام لوگ انہیں باجی بیگم کہہ کر پکارتے تھے۔

حیام اور مشعل آج خریداری کے سلسلے میں مال آئیں تھیں۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ دونوں آرز کو خوار کیے ہوئے تھیں۔ کبھی کچھ پسند آتا تو کبھی کوئی اور چیز نظروں کو بھلی لگ جاتی۔

"حیام یہ دیکھو۔۔۔۔یہ بریسلیٹ کتنا پیارا ہے۔"

اب کی بار وہ ایک ڈائمنڈ شاپ میں کھڑی تبصرہ کر رہی تھیں۔

"آہ! یہ کتنا پیارا ہے۔۔"آنکھوں میں ستارے جگمگانے لگے تھے۔وہ واقعی بہت پیارا تھا۔ڈائمنڈز کی ایک باریک لڑی تھی جبکہ درمیان میں ایک دل بنا تھا جس میں ایک آنسو نما ہیرا لٹکتا تھا اور دل کو زنجیروں سے باندھا گیا تھا۔دیکھنے والے کو دل روتا ہوا نظر

آتا تھا جسے زنجیروں میں قید کیا گیا ہو۔

"یہ ہم دونوں پر بہت پیارا لگے گا حیام۔"

مشعل نے اپنی رائے پیش کی۔

"ہاں، لگے گا تو مگر تم لے لو۔ یہ دیکھو یہ ایک ہی ہے۔" وہ دونوں اُس بریسلیٹ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہیں تھیں۔

"نہیں تم لے لو۔۔"

"میں نے کہا نا مشعل تم لے لو۔ تم نے پہلے دیکھا تھا اور یہ لاسٹ پیس ہے۔"

"نہیں ایسا بھی تو ہو سکتا کہ اور پیس بھی ہوں ہم پوچھ لیتے ہیں۔"

مشعل کو امید تھی کہ ایسے دو مل جائیں گے۔

"یہ دیکھو پاگل، اس سیکشن میں لاسٹ پیس کا ٹیگ لگا ہے۔"

حیام نے اُسے سرخ رنگ کا اسٹیکر دیکھایا جو کہ اُسی بریسلیٹ سے ذرا دور رکھا گیا تھا۔ اُس حصے میں ہر جویلری پیس کا آخری سیٹ پڑا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔۔!! اگر آپ دونوں کی شاپنگ ہو گئی ہو تو کیا آپ یہاں سے ہٹ سکتی ہیں؟"

آواز پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سفید شلوار قمیض میں سیاہ بالوں کو پیچھے سیٹ کیے، سرخ و سفید رنگت میں کھڑا لڑکا وہاں موجود تمام لڑکیوں کی نگاہوں کی زد میں تھا۔ وہ یقیناً ان دونوں سے ہی مخاطب تھا۔ آج اس شاپ میں معمول سے بڑھ کر رش تھا۔

"جی آپ کر لیں۔۔۔۔۔"

بد دل چہرہ لیے وہ مشعل کو لے کر وہاں سے ہٹ گئی۔ پیچھے کھڑے شخص نے پلٹ کر اُن دونوں لڑکیوں کو جاتے دیکھا تھا اور نگاہیں واپس اُس بریسلیٹ پر آ ٹکی جس پر وہ دونوں کچھ دیر پہلے تبصرہِ خیال کر رہی تھیں۔

"ایکسکیوزمی۔۔!! یہ بریسلیٹ پیک کر دیں۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ وہاں کیوں آیا تھا اُس نے کبھی لیڈیز شاپنگ نہیں کی تھی اور وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اُس نے وہ بریسلیٹ کیوں خریدا۔ وہ بس یہ جانتا تھا کہ وہ یہ سب کر گزرا تھا۔ نظروں میں اُس لڑکی کا ناراض چہرہ ابھرا تھا۔ سر جھٹک کر اُس نے پیمنٹ کی اور واپس ہو لیا۔

آرز جو کہ باہر کھڑا کسی سے کال پر گفتگو کرنے میں مصروف تھا اور اندر جا نہیں سکا تھا دونوں کے اُترے چہرے دیکھ کر ان کی جانب آیا۔

"کیا ہوا۔۔؟؟ منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں تم دونوں کے۔۔؟؟"

نگاہیں ہنوز دونوں کے چہروں کا طواف کر رہیں تھیں۔

"بریسلیٹ۔۔۔بھائی وہ چاہیے مجھے۔۔۔"

مشعل نے اُس کا بازو پکڑے التجائی نظروں سے دیکھا۔وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب کریڈٹ کارڈز وہ اُن دونوں کو دے چکا تھا تو وہ کیوں خرید کر نہیں لائیں۔

"تو کیوں نہیں لی۔۔؟؟لے لیتی۔۔۔۔"

"لاسٹ پیس تھا وہ۔۔۔"

اب کی بار حیام نے پلکیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔نگاہیں مستقل جھکی ہوئی تھیں۔وہ اب کہاں اُس سے نظریں ملا کر بات کرتی تھی۔آرز کے دل کی ایک بیٹ مِس ہوئی، وہ کیسے اُسے اداس دیکھ سکتا تھا۔

"اچھا۔۔!!تو وہ لاسٹ پیس لے لیا۔۔؟؟"

"ارے۔۔!کہاں بھائی، ہم اتنی دیر سے کھڑے اُسی کو تکے جا رہے تھے۔باقی لوگوں کو بھی شاپنگ کرنا ہوتی ہے۔"

مشعل نے منہ پھلائے جواب دیا۔

"اب تک تو کسی نے خرید لیا ہو گا حیام۔۔"

مشعل نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

"مجھے مت یاد دلاؤ مشعل۔ میں باہر پارکنگ میں ویٹ کر رہی ہوں، جب شاپنگ ہو جائے تو آ جانا۔"

وہ بھاری دل کے ساتھ چل دی۔ اب اُسے کوئی دوسری چیز پسند کہاں آنی تھی۔

آرز نے اُسے جاتے دیکھا تھا اور پھر اُس شاپ کو دیکھا۔ نام ذہن نشین کرنے کے بعد وہ مشعل کو لیے حیام کے پیچھے ہی چل دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پری ادھر آؤ میرا بیٹا۔"

شائلہ بیگم نے اپنی بیٹی کو باہر جاتے دیکھ کر روکا۔

"جی امی، کچھ کام ہے آپ کو۔۔؟؟" وہ ساتھ پڑے صوفے پر آ کر بیٹھی۔

"بیٹا میری تمہاری خالہ سے بات ہوئی تھی آج۔ وہ چاہ رہی تھیں کہ۔۔"

بات ادھوری چھوڑ کر بیٹی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"کہ۔۔؟؟ کیا امی۔۔؟؟"

"وہ چاہتی ہیں کہ ہمارے گھر آئیں۔ آرز اور تمہارے رشتے کی بات کرنے۔۔"

نگاہیں اب بھی بیٹی کے چہرے کا جائزہ لے رہیں تھیں۔

"آرز بھائی کے لیے ؟آپ جانتی ہیں وہ میرے بھائی کی طرح ہیں۔ایسے کیسے۔۔؟؟"
پری نے اپنا عذر پیش کیا۔

"شادی سے پہلے سب بھائی ہی ہوتے ہیں۔" چہرہ موڑ لیا گیا۔

"امی آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔میں اُن سے شادی نہیں کر سکتی۔"

وہ جانے کو کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے مت کرو مگر ایک بات یاد کر لو کہ تمہارا باپ تمہارے سر پر نہیں ہے اور تمہاری ماں کے کاندھوں میں اتنی ہمت نہیں کہ زیادہ دیر تک تمہارا وجود دنیا سے بچا کر رکھے۔تمہارے بھائی کی بھی یہی مرضی ہے۔اچھا لڑکا ہے آرز۔"

اُس کے قدم من بھر بھاری ہو گئے۔آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔اُس نے منہ پھیر لیا آج اُس کی ماں نے اُسے بوجھ قرار دے دیا تھا۔

"مجھے منظور ہے۔آپ جہاں چاہیں مجھے رخصت کر دیں، کوئی اعتراض نہیں ہے مجھے۔"

مشکل سے اپنے بھاری قدم اُٹھاتی رخ واپس اندر کو کر گئی تھی اب باہر جانے کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اُس کے جاتے ہی شمائلہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہے۔ کتنا دل سخت کر کے اُنہوں نے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ وہ بھی کیا کرتیں ماں تھیں۔ جوان بیٹیوں کا ساتھ تھا، سر پر باپ کا سایہ موجود نہ تھا۔ ایک بھائی تھا جو تمام دن محنت کر کے بہنوں کی ایک مسکراہٹ سے پہلے سا ہو جاتا تھا، ہر فکر سے آزاد۔ مگر وہ جانتیں تھیں وہ اندر سے سہما ہوا تھا۔ باپ کے بغیر جوان بیٹے بھی چڑیا کے بچے ہی رہتے ہیں چاہے کتنے مضبوط کیوں نا ہو جائیں۔

رات کے کھانے پر تمام نفوس ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔ خاموشی کا راج تھا۔ آرزکی نظریں بار بار حیام پر جا ٹھہرتیں۔ وہ چاہے کتنا چاہتا کہ وہ نگاہوں کا زاویہ بدل ڈالے مگر وہ بھی ڈھیٹ تھیں کسی سنسر کی صورت اپنا سکون تلاش کرنے اُس لڑکی پر رک جایا کرتی تھیں۔ وہ بھی انجان تو نہ تھی۔ خود پر پڑنے والی ہر نظر کو بن دیکھے پرکھ لیا کرتی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے جھالر وقفے وقفے سے اُٹھتے، محبوب کا دیدار کرتے اور آزر کو دیکھتا پا کر گر جاتے۔ چہرے پر حیا کے رنگ سمٹ جاتے، ہونٹوں پر مسکراہٹ جسے روکنے کی سعی کرنا پڑتی۔ یہ منظر آرز کو بھلا لگتا تھا۔ عاشق کے لیے یہ خبر ہی جان لیوا ہوتی ہے کہ اُس کا محبوب بھی اس کی محبت کے رنگ میں رنگتا جا رہا ہے تو وہ خوش کیوں نا ہوتا۔۔

"آرز۔۔!"

خاموشی کو حسن صاحب کی آواز نے توڑا۔

"جی۔" چہرے کا رخ اپنے باپ کی جانب موڑا جبکہ نگاہیں بضد تھیں۔

"کھانے سے فارغ ہو کر خالہ اماں سے بات کر لو۔ وہ راہ دیکھتی ہوں گی تمہاری۔"

"ابا، میں صبح کر۔۔۔۔"

ابھی وہ بات مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ حسن صاحب نے ٹوکا۔

"ابھی کر لو آرز تم واقف ہو اُن سے۔ اس قدر محبت کا یہ صلہ دو گے تم اُنہیں؟"
آنکھوں میں شکایت واضح تھی۔

"جی اچھا، میں کر لوں گا۔"

دل یکدم خالی سا ہو گیا۔ وہ بھی تو بہت محبت کرتا تھا اُن سے، یہ الگ بات تھی کہ جوانی میں قدم رکھتے ہی نہ کبھی پلٹ کر ملا نہ کبھی وہ محبت سے مجبور ہو کر ادھر کو آئیں مگر فون پر زبانی کلامی باتوں کا سلسلہ جڑا رہا جس میں اب رفتہ رفتہ مصروفیت نے قدم جما لیے تھے۔ اب کی بار محبت کی ڈور ٹوٹنے کا خدشہ ہوا تھا وجہ بہت جلد پردے پر عیاں ہونے کو تھی اور آرز حسن چاہتا تھا کہ وہ وقت کبھی نہ آئے۔

"سلام، خالہ اماں۔۔!"

"آگئی تمہیں میری یاد۔"

آواز میں ناراضگی واضح تھی۔

"خالہ اماں سلام کا جواب ناراضگی کا محتاج کب سے ہونے لگا ہے۔۔؟؟"

"وعلیکم السلام!!"وقت گزر رہا تھا مگر کان پر لگے پرزے کے دونوں اطراف موجود نفوس خاموش رہے۔

"کب تک ناراض رہیں گی۔۔؟؟مصروف تھا بہت۔"

جواب ندارد، مجبوراً خود ہی بولنا پڑا۔

"اب معاف کر بھی دیں۔اگر نہیں کریں گی تو میں گاؤں نہیں آؤں گا۔"

آرز نے مقابل کی کمزوری پر وار کیا۔

"تو پھر یہ نحوست مارا فون بند کر دے۔"آواز میں نمی حائل ہوئی۔

"وہ کیوں۔۔؟؟"آرز حیران ہوا۔

"میرا شہزادہ آرہا ہے۔ مجھ بوڑھی کی آنکھوں کا نور لوٹ رہا ہے، مجھے حویلی میں جشن کی تیاریاں تو کرنے دے۔"

اب وہ باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"معلوم نہیں کب آؤں گا؟؟ آنے میں وقت لگ گیا تو؟"

آرز نے اپنے خدشات بیان کیے۔

"یہ تو خبر ہو گی کہ تو آئے گا میرے شہزادے۔ جہاں میری آنکھوں نے ترستے ہوئے پچیس سال گزار دیئے تھوڑا وقت اور سہی۔" ہچکیوں کا سلسلا بندھا تھا۔

"روتی کیوں ہیں بے جی؟ وعدہ کرتا ہوں آؤں گا۔"

کہتے ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ وہ کہاں اُن کو روتے ہوئے دیکھ اور سن سکتا تھا۔

وہاں وہ سکتے میں بیٹھی رہ گئی تھیں۔ کتنے عرصے بعد اُس نے انہیں بے جی کہہ کر پکارا تھا۔ اُن کے رشتے میں جانے انجانے جو دوری کی دیوار حائل ہو گئی تھی وہ پگھل رہی تھی۔

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں گزر گئے، زندگی چلتی رہی، حالات بدلتے رہے نہیں بدلا

تو آرز حسن کے دل کا حال۔ کب کیسے حیام بخاری اُسے اپنے ہونے کے لیے لازم و ملزوم محسوس ہونے لگی پتہ لگنے میں بہت دیر ہو گئی۔ وہ یہ مانتا تھا کہ اُس سے محبت کرتا ہے مگر یہ خوف بھی تھا کہ اُس لڑکی کے احساسات بھی اس کے دل کی طرح زور آور ہیں کہ نہیں۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی ہے مگر پھر بھی محبت میں خدشات نہ ہوں تو بھلا کیسی محبت ہوئی۔ محبت ہوتی ہی ایسی ہے صحیح راستے پر چلتے چلتے کب وہم کا طمانچہ منہ پر مار دے معلوم ہی نہیں ہوتا۔

وہ اپنے کمرے میں کھڑا آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ دھیان بٹا ہوا تھا۔ کبھی حیام کے دل کی کیفیت جاننے کے لیے تڑپتا تو کبھی بے جی سے کیے وعدے پر خود کو کوستا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُنہیں امید کی ڈور تھما چکا تھا۔ اس بات کو گزرے بھی دو مہینے ہو چکے تھے۔ دروازہ ناک ہونے کی آواز پر وہ واپس حال میں لوٹا۔

"آ جائیں۔"

وہ حیام کو دروازے پر کھڑا دیکھ یکدم سیدھا ہوا۔

"تم۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں۔۔ کوئی کام ہے کیا۔۔؟؟" وہ مرد تھا مگر پھر بھی محبت کا مارا ہوا تھا۔ محبت مرد کو مرد کہاں رہنے دیتی ہے اُسے معصوم بچہ بنا دیتی ہے۔ اپنے لہجے کو نارمل کرتے ہوئے کام پوچھا۔

"جی کام تھا ایک۔۔۔۔"

نگاہیں آرز کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کا طواف کر رہیں تھیں۔ ہچکچاہٹ صاف واضح تھی۔

"بولو۔۔۔" وہ چھوٹے قدم اُٹھاتا اُس کے نزدیک آ رہا تھا۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔۔میں کہہ رہی تھی کہ آپ مجھے آج شاپنگ پر لے جائیں گے؟"

اُس کی قربت پہلے کہاں جھیلی تھی حتیٰ کہ وہ ابھی قریب آیا ہی کہاں تھا مگر پھر بھی چہرہ خفت کے مارے لال ہوئے جا رہا تھا۔

"کیوں۔۔؟؟" وہ حیام کی اس حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ آج پہلی مرتبہ تو وہ اس تک خود چل کر آئی تھی کیسے جانے دیتا۔۔؟

"وہ پری کا بر تھڈے ہے اور مشعل کو کام ہے میرے ساتھ جانے والا کوئی بھی نہیں۔"

اُس کی اُٹھتی گرتی پلکیں آرز حسن جیسے مرد کو دیوانہ بنا رہی تھیں۔ آرز کے دل میں خواہش جاگی تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اُنہیں چھوئے مگر اُسے یہ حق کہاں حاصل تھا۔

"ٹھیک ہے، میں جلدی آ جاؤں گا پھر لے چلوں گا۔"

وہ اُسے مزید تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس کی ہاں سن کر وہ باہر کو بھاگی۔ سامنے کھڑے پاگل انسان سے کیا بعید تھا کہ کچھ کر بیٹھتا۔ اُس کے جانے کے بعد وہ ہنسا۔

"پاگل لڑکی!"

مسکراہٹ لبوں سے جدا ہی نہ ہوتی تھی۔

سید زادے!

محبت انسان کو واقعی دیوانہ بنا دیتی ہے۔ یقین نہیں تو کبھی آئینہ دیکھنا، یوں لگتا ہے کہ آئینے میں عکس کی جگہ محبوب بس گیا ہے۔ اپنا عکس تو بکھر جاتا ہے۔ محبت میں انسان کی حالت ایک بھکاری سی ہو جاتی ہے جو در در بھٹکتا ہے۔ لیکن محبت کے جوگی میں ایک فرق ہوتا ہے کہ وہ بس ایک در کا ہوتا ہے۔ محبوب کے در کا پانی پی لے تو دوسرا کوئی پانی اُسے راس نہیں آتا۔

آج میں نے، حیام بخاری نے بھی آئینہ دیکھ لیا ہے مجھے تمہارے سوا کچھ دکھا ہی نہیں۔ بہت تلاشا بھی مگر صرف تم ہی تم تھے۔ میں تو نجانے کب فنا ہو گئی معلوم ہی نہ ہوا۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

حیام سے بس یہی غلطی ہوئی تھی، وہ محبت کے مرض میں مبتلا ہو گئی اور اس مرض کا علاج تو بس محبوب کی قربت ہوتا ہے جو کہ اُسے دستیاب نہ تھی۔ وہ خط لکھا کرتی تھی جو اپنے اصل مالک تک نہ پہنچ پاتے مگر اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ تصور میں ہی سہی اپنے دل کا حال آرز کو بیان کر دیتی تھی یوں جیسے وہ سامنے بیٹھا بس اُسے ہی سن رہا ہو، پڑھ رہا ہو۔ اُسے خبر ہو جاتی کہ یہ خطوط اُس کی تباہی کا دروازہ کھول دیں گے تو وہ خواب میں بھی کبھی یہ کوتاہی نہ کرتی مگر اُسے کیا معلوم تھا۔۔؟؟ کچھ بھی نہیں۔

"میں آ جاؤ۔۔؟"

آرز نے دروازے پر کھڑے اجازت مانگی۔

"ہاں بیٹا آ جاؤ۔" ندا بیگم نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کوئی ضروری بات ہے امی۔۔؟؟"

"ہاں بازل کو بھی آنے دو، پھر کرتی ہوں۔"

اتنی دیر میں بازل بھی آیا تھا اور بھاگ کر بیڈ پر چڑھا، فوراً ایک طرف بیٹھے حسن صاحب کے ساتھ چمٹ گیا۔ وہ ایسا ہی تھا شرارتی، ہنس مکھ، بڑی سے بڑی بات کو بھی مسکرا کر ٹال دیتا تھا۔

"بازل۔۔!!" ندا بیگم نے تنبیہ کی تو اُس نے معصوم شکل بنائے حسن صاحب کو یوں دیکھا جیسے شکایت کر رہا ہو۔

"ارے بیگم!! کیوں ڈانٹتی ہیں میرے بیٹے کو۔۔؟؟ ابھی تو کھیلنے کودنے کے دن ہیں اس کے۔" وہ بھی شرارت پر آمادہ تھے۔

"لو ہم ان جناب کی شادی کے خواب سجا رہے ہیں لیکن یہ تو خود اب تک بچپن سے نکلے نہیں۔"

شادی کی بات پر بازل کے کان کھڑے ہوئے جبکہ آرز مسکرایا تھا اپنے بھائی کی حرکتیں دیکھ کر۔

"اچھا چلیں بتائیں کیا بات تھی۔۔؟؟" اُسے لمحہ لگا تھا سنجیدہ ہونے میں۔

"میں اور تمہاری امی چاہتی ہیں کہ اب ہم تم دونوں کی شادی کروا دیں، بہت انتظار کر لیا۔ اور میں نہ بالکل نہیں سنوں گا۔"

آخری بات آرز کی جانب اشارہ کر کے کہی گئی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اُس نے

انکار نہیں کیا تھا وہ تو بس مسکرا رہا تھا۔

"یعنی کہ تم راضی ہو آرز؟"

ندا بیگم کو یقین نہ آیا۔

"جی امی میں راضی ہوں۔مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"واہ بھائی!!میرے بغیر سب طے کر لیں گے آپ سب۔میں کہیں سے اُٹھائی ہوئی اولاد ہوں نا۔۔؟؟"دروازے پر کھڑی مشعل جو نجانے کب سے اُن سب کی باتیں سن رہی تھی،بول پڑی۔

"ارے ے تم جاؤ،ہم بہت ضروری بات کر رہے ہیں۔"

بازل کہاں اُسے تنگ کیے بغیر رہ سکتا تھا۔

"بھائی!!دیکھ لیں بس آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں۔"وہ شکایتی انداز میں کہتی آرز کے پاس آ بیٹھی۔

"چلو اچھا یہ شکایتیں بند کر دو فلحال کے لیے،امی کی بات پوری ہونے دو۔"بازل کا تو دل چاہتا تھا بنگھڑے ڈالے۔

"بازل میاں!!جو یہ اتنی خوشیاں چڑھی ہوئی ہیں خبر دار جو تم نے کہا کہ تمہیں کوئی

لڑکی پسند ہے۔"

ندا بیگم نے ساتھ ہی اُس کے کان موڑے۔

"ارے امی ! ! کان چھوڑیں میرے۔ میں کیسے اپنی بیوی کی باتیں سنوں گا ان کانوں کے بغیر وہ جب پیارا پیارا، میٹھا میٹھا بولے گی۔ میں تو حسرت سے مر جاؤں گا۔ ہاائے اُس کا بنا کان والا شوہر۔"

ساتھ ہی بھرپور نقشہ کھینچا اور باقی سب کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔

"شریر۔۔ چل ہٹ۔۔۔۔"

"چلیں بتائیں نا امی کہ آپ نے کون سی بھابھیاں پسند کیں ہیں میرے لیے۔۔؟؟"

مشعل نے اشتیاق سے پوچھا۔

"مجھے اپنے آرز کے لیے تو پری پسند ہے اور بازل کے لیے میری اور تمہارے بابا دونوں کی خواہش ہے کہ حیام ہماری بہو بنے۔"

وہ مسکراتے ہوئے اپنی خواہش کا اعلان کر گئیں لیکن سامنے بیٹھے نفوس سکتے کی سی حالت میں آ گئے تھے۔ ایک کے دل کا معاملہ تھا جبکہ دوسرا رشتوں کی ڈور سنبھالنے کی تگ و دو میں جت چکا تھا۔

"واؤامی۔۔یو آر گریٹ۔۔"

"میں بہت بہت بہت زیادہ خوش ہوں۔"

مشعل خوشی سے اچھلنے لگی۔ندا بیگم اور حسن صاحب کے چہرے سے مسکراہٹ جدا نہ ہوتی تھی مگر جن کی زندگیوں کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ سناٹوں کی زد میں تھے۔

"امی یہ آپ کیسے کر سکتی ہیں۔۔؟؟تھینک گاڈ آپ نے ابھی کسی سے بات نہیں کی۔" بازل پہلے ہوش میں آیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔۔؟؟"

حسن صاحب نے ندا بیگم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ماحول میں ایک دم بے سکونی پھیلی۔

"اباوہ بہن ہے میری۔بھائی کہا ہے میں نے خود کو اُسکا۔آپ میری چھوڑیں،آپ اُس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔۔؟؟" بازل کے چہرے پر اضطراب نمایاں تھا۔

"میں بات کر چکا ہوں بازل تمہارے چچا سے۔اُسے کوئی اعتراض نہیں۔تم تو اُسے اپنا باپ کہتے ہو،یوں اعتراض کر کے اس کی بیٹی کو رسواء کرنا چاہتے ہو۔؟؟"

بازل کے لیے یہ انکشاف دردناک تھا۔ایک جانب اُس کے رشتے تھے تو دوسری

طرف وہ لڑکی جسے اب تک بھائی کیا ہوتا ہے؟ صرف کہہ کر نہیں بلکہ بن کر دکھایا تھا۔ اُس کے اپنے رشتوں نے ہی اس کو ایک اندھی کھائی میں دھکا دے دیا تھا جہاں روشنی کا کوئی سرا موجود نہ تھا۔

"تو ابا آپ آرز کے لیے حیام کا ہاتھ مانگ لیں مگر خدا یا مجھے اس معاملے میں مت گھسیٹیں۔"

وہ بس ہاتھ جوڑنے والا تھا۔ آرز تو اب تک سکتے کی سی حالت میں بیٹھا تھا۔ بازل کی بات سن کر ہوش کی دنیا میں لوٹا۔

"میں آرز کے لیے بات کر چکی ہوں شائلہ سے۔ اب اگر تم دونوں بھائی اپنے ماں باپ کی عزت خاک کرنا چاہو تو شوق سے کرو۔"

آرز کو ایک اور دھچکا لگا، وہ بیشک اُس کے ماں باپ تھے مگر یہ حرکت کیسے کر سکتے تھے۔ وہ اُس سے اسکی ہی زندگی کے اہم فیصلے اُس سے پوچھے بغیر کیونکر کر سکتے تھے۔

"تم دونوں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ ایک طرف تم دونوں کی بے تکی وجوہات ہو سکتی ہیں مگر دوسری طرف تمہارے ماں باپ کی عزت ہے، جس کو چننا چاہو چُن لو۔"

حسن صاحب نے آخری وار کیا۔

آرز حسن نے آنکھیں بند کیے دل سے رستا خون محسوس کیا۔ وہ عجب دوراہے پر کھڑا تھا

جہاں سے کوئی راستہ ملنے کو نہ ملتا تھا۔

آرز نے آنکھیں موندے نجانے کتنے آنسو بہائے تھے صرف وہ جانتا تھا۔اُس کے بدن سے اُٹھتی ٹھیسیں اس قدر شدت اختیار کر گئیں تھیں کہ سانس لینا محال ہو گیا۔ وہ کیسے کوئی فیصلہ کر سکتا تھا۔ابھی تو محبت کا کنول پوری طرح کھلا بھی نہیں تھا،وہ کیسے اُسے کسی دوسرے کا ہونے دیتا۔کوئی دوسرا بھی کیا اُسکا اپنا بھائی۔اور دوسری طرف اس کے ماں باپ نے کیا کر دیا تھا اس کے ساتھ۔اتنا غلط فیصلہ ؟؟ایک مرتبہ اس کی رائے تو پوچھ لی ہوتی۔اُسے سانس لینے میں دشواری ہوئی۔اُٹھ کر بیڈ روم سے منسلکہ بالکونی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا،سانس لینا چاہا مگر سامنے کا منظر اُس کی تکلیف میں مزید اضافہ کر گیا۔

سامنے وہ لڑکی جو سینے میں موجود دل کو ایک نظر میں فتح کر گئی تھی،آرام سے بیٹھی شاید اُسی کا انتظار کر رہی تھی۔آرز کو اپنا کیا وعدہ یاد آیا تھا لیکن وہ مجبور تھا،بہت مجبور۔

بس پھر حیام نے نظریں اُٹھائیں تھیں جو کہ آرز پر آکر رکیں تھیں آرز کو دیکھ وہ خوشی سے کھڑی ہوئی اور ایک لمحہ لگا تھا آرز حسن کو فیصلہ کرنے میں جو اتنا دردناک تھا کہ اُسے اپنی ہی محبت کا قاتل بنا گیا۔اس نے اپنے ساتھ ساتھ حیام کے نصیب میں بھی سیاہی انڈیل دی،پری کے لیے ہاں کر دیا مگر سکون اُسے کہاں نصیب تھا۔

گھر میں ہونے والے تمام فیصلوں کی روداد مشعل کی صورت اُس تک پہنچ گئی تھی۔ مشعل خوش تھی مگر وہ کیسے ہو سکتی تھی۔ تنہائی میں وہ اس قدر روئی کہ گر کوئی دیکھ لیتا تو اُس کی حالت بھی حیام سے مختلف نا ہوتی۔ یہ کرب، یہ تکلیف اُس کے لیے بہت زیادہ تھی۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ رونے میں شدت آتی جا رہی تھی، ہچکیاں رکنے کا نام نہ لے رہیں تھیں۔

اُس نے غلطی کیسے کر دی۔۔؟؟ نہیں غلطی نہیں تھی اُس سے گناہ ہو گیا تھا، گناہ۔۔۔ محبت کرنے کا گناہ۔۔۔ایک نا محرم کو دل میں بسا لینے کا گناہ۔ چاہے وہ جتنی بھی ماڈرن ہو جاتی۔۔ چاہے دنیا پلٹ جاتی۔۔ وہ یہ کیسے بھول گئی تھی کہ وہ سید زادی ہے اور سید زادیوں کو آزادی مل بھی جائے تو وہ اپنے پنکھ خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ دیا کرتی ہیں۔ سید زادیوں پر محبت حرام ہے۔

حیام بخاری نے یہ جان لیا تھا کہ اپنے اصل سے بھاگنے والی تمام لڑکیوں کو قدرت یوں ہی سزا دیا کرتی ہے۔ اس نے غلط راستے کا انتخاب کیا تھا۔ اُسے محبت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا لیکن جب جب وہ خود کو سمجھاتی، آرز حسن کی معنی خیز مسکراہٹ، خود پر اٹھنے والی ہر نظر ایک مرتبہ پھر سے چیخنے چلانے پر مجبور کر دیتی۔ وہ خود سے لپٹ کر یوں روئی جیسے کہ اپنی محبت کے مرنے پر روتی ہو یا پھر اُس سنگدل کی بے وفائی پر۔

سید زادے!

یہ بے وفائی کو بے وفائی کیوں کہتے ہیں۔۔؟؟ بے وفائی میں وفا آتی ہے تو وفا کرنے والے ہر محبوب کی تذلیل ہوتی ہے۔ تمہیں بے وفا نہیں کہوں گی میں، پتا ہے کیوں؟؟ بے وفا تمہیں کہوں اور تذلیل اپنی۔۔ یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ مگر سنو تم نے میری جو ذلت کر دی ہے تو تمہیں اپنی موت کہہ لوں کیا؟؟ تم نے تو واقعی مجھے مار دیا ہے یار۔۔۔ حیام بخاری مر گئی ہے آج ہمیشہ کے لیے۔۔

خط لکھتے ہوئے نجانے کتنے آنسو کاغذ پر گرے تھے جو اُس کے درد کے گواہ تھے۔ قطرہ قطرہ پگھلتی رات اُس کے سینے میں اٹھنے والی آہوں کو تھپکی دے کر کے سلانے میں لگی تھی مگر اس کی روح پر اترتا قہر کوئی اس سے پوچھ لیتا تو مر جاتا۔ موسم نے بھی آج حیام سے بے وفائی کر ڈالی تھی۔ آندھی یوں گھر کے در و دیوار کو ہلاتی جیسے سب کچھ بھسم کر ڈالے گی۔ اسی آندھی کی زد میں حیام کا لکھا خط آ گیا تھا جو کب اُڑتا ہوا کمرے کی روش پار کر گیا معلوم نا ہوا۔

بازل جو کب سے الجھن کا شکار تھا حیام سے بات کرنے کی نیت سے اُس کے کمرے کی طرف چلا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس سے بات کرے، اُسے بتائے کہ اس کا کوئی قصور نہیں لیکن کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی حیام کا لکھا خط اس کے قدموں سے جا لپٹا۔ وہ جیسے جیسے پڑھتا گیا اُس کے قدم بے جان ہوتے گئے۔ اس میں اتنی ہمت نہ بچی تھی

کہ وہ اس کا سامنا کرتا۔ بازل کو تمام معاملے سے متعلق شک تھا مگر آج اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

وہ رو دیا تھا، وہ مرد تھا مگر پھر بھی روتا تھا۔ آخر بہنوں کے دکھ تو بھائیوں کے اپنے ہی ہوتے ہیں نا۔۔۔

وہ دبے قدموں چلتا آرز کے کمرے تک آیا۔ دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوا، اندر کا حال بھی سوگوار تھا۔ اندھیرے کمرے میں وہ بیڈ کے ایک طرف زمین پر یوں بیٹھا تھا جیسے کوئی لٹا ہوا انسان اپنی ساری پونجی ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔

"آرز۔۔۔ کیا ہوا ہے؟؟" وہ بھی اُس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جواب ندارد۔

"آرز۔۔۔!! بات کر مجھ سے یار۔۔۔۔"

"کیا بات کروں؟؟" آنکھیں موندے وہ نجانے کس دنیا میں گم تھا۔

"تو محبت کرتا ہے نا اُس سے۔۔؟؟"

"کس سے؟؟" محبت کے نام پر ایک تیر ٹھیک دل کے نشانے پر آ کر لگا۔

"حیام سے۔۔۔۔"

حیام کا نام سُنتے ہی اُس نے آنکھیں کھولیں۔ سرخ رنگی آنکھیں جنہیں دیکھ بازل کو خوف محسوس ہوا۔

"پاگل ہے کیا؟ میں کسی سے محبت نہیں کرتا اور اُس حیام سے۔۔۔ہاہاہا۔۔اس سے تو بالکل نہیں کر سکتا۔"

وہ چیخا لیکن پھر دیوانہ وار ہنسنے لگا یوں جیسے اندر کا کرب کوئی پاگل دیوانہ باہر کی دنیا میں انڈیل دیتا ہے۔

"آرز میری بات سن۔۔۔۔" بازل نے اُسے جھنجھوڑا۔

"نہیں سُننا مجھے کوئی بات۔ کہہ دیا ہے نا کہ نہیں کرتا میں محبت کسی سے۔۔۔"

"تیرے چہرے پر صاف لکھا ہے کہ تو کرتا ہے۔"

"ارے بس کر دے۔ میں اُس امپیور لڑکی سے کیسے محبت کر سکتا ہوں۔۔؟؟ بلکہ اُس امپیور سے میں تو کیا کوئی بھی محبت نہیں کر سکتا۔"

نجانے کیوں وہ پتھر دل ہو گیا تھا۔

"ہاں وہ امپیور ہے، پاگل ہے تم کیسے کر سکتے ہو محبت اُس سے۔ہاں ٹھیک کہا تم نے وہ امپیور ہی ہے تب ہی تم سے محبت کر بیٹھی ہے۔اتنے گھاٹے کا سودا تو کوئی کم عقل ہی

کر سکتا ہے۔" وہ رو رہا تھا، آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ آج وہ بازل حسن اپنی بہن کے درد میں رو رہا تھا۔

"بازل!! فور گاڈ سیک۔۔ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی یار۔ یہ بس اُس کا ایک وقتی جذبہ ہے، ایٹر کشن ہے جو خود ہی رفتہ رفتہ ابال کھا کر مر جائے گا۔"

حیام جو نجانے کب دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس ظالم، سنگدل محبوب کے در پر آئی تھی کہ آخر کیا قصور ہوا تھا اُس سے وجہ جان لے یہ سب سن کر سکتے میں چلی گئی مگر پھر آرز کے الفاظ اُسے طمانچے کی صورت لگے، کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اندر بڑھی۔

“You Aariz Hassan. You don't have any right to tell me about my feelings.”

"نہیں کرتی میں آپ سے کیا کسی بھی دوسرے انسان سے محبت۔ اگر میں یہ فرض کر بھی لوں کہ میں محبت کرتی ہوں، وہ بھی آپ سے تو بھی آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ میری یا میری محبت کی یوں تذلیل کریں۔۔۔ مائنڈ اٹ۔"

وہ آنسو پونچھتے باہر کو بھاگی مگر سامنے کھڑے وجود سے ٹکرا گئی۔ دیکھا تو سامنے مشعل تھی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز کمرے میں موجود تمام نفوس ٹھٹک گئے، انہیں کیا خبر تھی کہ جس راز کو وہ دفن کرنے کا سامان کر رہے ہیں وہ آہستہ آہستہ آگ کی

صورت اور لوگوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیے جائے گا۔

"حیام۔۔۔۔۔۔بھائی۔۔۔کوئی بتائے گا مجھے کہ کیا چل رہا ہے۔۔؟؟"

آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔

"کچھ نہیں مشعل۔۔کچھ بھی نہیں۔۔"

حیام کہتے ہی باہر کو نکلی لیکن پھر واپس مڑ کر مشعل کا بازو پکڑا، رخ اپنی طرف کیا، آنکھوں میں آنسو لیے، لبوں پر مسکراہٹ سجائے کچھ کہنے کی سعی کی اور کامیاب بھی ہوئی۔۔۔۔

"مشعل یہ جو انا ہوتی ہے نا، یہ مرد کو مرد تو ثابت کر دیتی ہے مگر اُسے اندر سے مار دیتی ہے۔انا جب مرد کو گھیر لیتی ہے تو پھر محبت تو کیا عشق بھی روبرو اُتر آئے وہ کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھ جاتی ہے۔۔اور جب انا کو خوف گھیر لیتا ہے کہ اُس کا قیام، اُس کا اثر ختم ہو رہا ہے تو وہ ڈس لیتی ہے اور سانپ کا ڈسا محبت کا آب پی بھی لے تو اُس کی پیاس نہیں بجھتی، وہ تڑپتا ہے مگر کوئی ایسا آب ملنے کو نہیں ملتا جس سے محبت کی پیاس بجھ جائے اور عشق امر ہو جائے۔"

اُس کا بازو چھوڑ اُسے نزدیک آنے کا اشارہ کیا جسے پا کر فوراً مشعل اُس کے قریب آئی، حیام نے اُس کے کانوں میں سرگوشی کی۔۔

"دعا کرو مشعل تمہارا بھائی مرنے سے بچ جائے۔ میرا جو نقصان ہوا سو ہوا تمہارا ہو گیا تو ہر کوئی مجھ جیسا بد نصیب نہیں ہوتا کہ زندہ رہ جائے۔"

کہتے ساتھ ہی وہ باہر کو نکل گئی جبکہ پیچھے کھڑی مشعل کی حالت تشویشناک صورتحال اختیار کر گئی۔

"بازل بھائی۔۔!"

"جی میری جان۔۔!"

بازل نے فوراً مشعل کو اپنے ساتھ لگایا۔

"مجھے حیام کے پاس لے جائیں، میرے قدم چلنے سے انکاری ہیں۔ دیکھیں نا آپ کو میرے پاؤں میں بندھی رشتوں کی زنجیریں نظر نہیں آ رہیں کیا۔۔؟؟ بھائی سے کہیں نا کہ انہیں کھول دیں ورنہ یہ تو اس قدر ظالم ہو گئے ہیں کہ اپنی بہن کو بھی مار ڈالیں گے۔"

آرز کے لیے یہ سب کچھ، مشعل کا رویہ، حیام کی تمام باتیں تکلیف دہ تھیں۔ اُس کے الفاظ ختم ہو رہے تھے وہ بولنا چاہتا تھا مگر کون سنتا اُس کو۔ اُس کے اپنے رشتے منہ موڑ رہے تھے۔ بہت مشکل سے اس نے بولنا چاہا۔۔۔

"مشعل گڑیا کیا۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو؟؟ تم اپنے بھائی کو چھوڑ کر جا رہی ہو؟؟"

آنکھوں میں اضطراب اور بدن میں بے چینی واضح تھی۔

"بازل۔۔بازل یار تو سمجھتا ہے نا مجھے۔اسے سمجھانا۔۔"

مگر بازل بھی رخ موڑے کھڑا رہا،دل پر ایک اور تیر آ کر لگا تھا۔وہ اپنی غلطی جاننا چاہتا تھا۔کیا اس کا قصور یہ تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی عزت کے آگے خاموش ہو گیا تھا۔ہاں اُس نے حیام کو مار ڈالا تھا لیکن کوئی اس کی روح میں جھانکتا تو زخمی تو وہ بھی تھا۔اور اُس کا درد تو زیادہ تھا سب سے،حیام سے بھی زیادہ۔۔اُس نے تو خود کو خود زخمی کیا تھا۔

"تم لوگوں کو اُس کا درد نظر آتا ہے لیکن جو تمہارا اپنا بھائی تکلیف میں ہے وہ نہیں۔یار میں نے تو اُس سے کبھی نہیں کہا کہ میں محبت کرتا ہوں،قصور تو اُس کا ہے نا کہ اُس نے خود ہی۔۔۔"

مشعل نے اُس کی بات کاٹی اور سست روی سے چلتی اس کے قریب آئی۔

"بھائی!!آپ کو پتا ہے وہ مرد ہوتا ہے جسے کبھی ذہنی سکون کے لیے تو کبھی اپنی انا کی تسکین کے لیے عورت سے اظہارِ محبت سُننے کی خواہش اور ضرورت ہوتی ہے۔
عورت کے لیے اظہار کوئی معنے نہیں رکھتا،وہ تو ان بے زبان آنکھوں کی بولی جان لیتی ہے۔۔۔کچھ لمحوں کا سکوت۔۔۔حیام کو میری ضرورت ہے،وہ بہن ہے میری۔رشتہ نہ بھی نبھاؤں تو جو دوستی کی تھی اُسے نبھانے کا وقت آ گیا ہے۔میں اس لیے نہیں جا

رہی کہ آپ کو چھوڑ رہی ہوں۔مجھے پتا ہے کہ آپ چاہے اُس کے مر جانے پر ہی آئیں، اُس تک آ جائیں گے۔اُسے نہ بھی رہا تو مجھے آپ کا انتظار رہے گا۔ایک ریکوسٹ ہے کہ دیر مت کر دیجئے گا، یہ نا ہو آئیں تو اُس کے ساتھ ساتھ آپ کی بہن بھی مر گئی ہو۔"

وہ شدت سے رو رہی تھی۔بات ختم کرتے ہی چلی گئی۔اس کے جاتے ہی آرز نے آنکھیں بند کی تھیں۔آنسوؤں کو روکنے کی جو کوشش وہ کر رہا تھا وہ فضول تھی وہ بہہ چکے تھے۔اُس نے بازل کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تجھے معلوم ہے آرز تجھے کبھی میں نے اپنا بڑا بھائی سمجھا ہی نہیں، اپنا یار ہی سمجھتا رہا لیکن غور سے دیکھ دوسری طرف وہ ہے جس کے لیے میں دنیا سے لڑ سکتا ہوں اور تو دنیا والوں میں شامل ہو گیا تو دل ٹوٹ گیا ہے میرا۔۔"

آرز نے کچھ کہنا چاہا مگر بازل نے ہاتھ اٹھا کر اُسے بولنے سے روکا۔

"جب پیدا ہوئی تھی وہ تو چچی نے سب سے پہلے اُسے میرے ہاتھوں میں دیا تھا۔ابا نے کہا کہ اس کا بھائی، اس کا محافظ، اس کا سایہ بن جانا۔وہ سکول جاتی تھی تو میری انگلی پکڑ کر چلتی تھی کبھی محسوس ہی نہیں ہوا کہ وہ میری سگی نہیں۔آج میرے اپنوں نے اُسے ضرب لگائی تو پتا چلا کہ وہ سگی نہیں۔بہت دیر سے معلوم ہوا کہ اُس نے میری انگلی چھوڑ دی ہے۔"

ساتھ ہی اپنا ہاتھ آگے کر کے دکھایا جیسے ابھی ابھی چھوڑی ہو۔۔۔

"ایک بات یاد رکھنا کہ اسکے مخالف میں میرا سگا بھائی ہی کیوں نا ہو مجھے وہ حیام کے ساتھ کھڑا پائے گا۔"

آرز کے کاندھے پر تھپکی دیئے وہ آنسو صاف کرتا ہوا چلا گیا۔آج صحیح معنوں میں آرز حسن نے قیامت دیکھ لی تھی۔اُس کے اپنوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔اس کا قصور تو بتاتے جاتے، کیا کیا تھا اُس نے؟؟

حویلی کے برآمدے میں اماں جی بے سکون سی ادھر اُدھر چکر لگا رہی تھیں۔

"اماں!! کیوں بے سکون پھرتی ہیں۔کہیں تو قہوہ بنوا دوں۔۔؟؟"

ایک طرف کو بیٹھی نفیسہ بیگم نے پوچھا۔حویلی کی عورتوں کی طرح ہی سر تا پیر چادر میں خود کو ڈھانپے وہ اور خالدہ بیگم دونوں باقی ملازماؤں کے ساتھ زمین پر ڈوپٹے پھیلائے گوٹا چن رہی تھیں۔

"نہیں۔۔۔بشیرا جا چھوٹے شاہ کو بلا کر لا۔"

خود جھولے پر ٹیک لگائے بیٹھ گئیں۔بشیرا کے بلانے پر شاہ میر جوں ہی برآمدے میں

داخل ہوا تمام ملازمائیں سر منہ مزید ڈھانپتی باہر کو نکل گئیں۔وہ آکر سیدھا اماں جی کے قدموں میں بیٹھا،اُن کے ہاتھ چوم کر بولا۔

"کیا فکر کھائے جا رہی ہے اماں۔۔؟؟"

"تو شہر چلا جا۔"

اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں اُس سے منت کر رہی تھیں۔وہ کبھی یوں مجبور تو نا ہوا کرتی تھیں۔

"اب۔۔۔۔کیوں۔۔؟؟"

"وہ کمبخت۔۔۔ہائے میں تھاں مراں۔۔۔۔۔میرا شہزادہ ٹھیک نہیں۔وہ شہر میرے شہزادے کو مار دے گا۔اُسے میرے پاس لے آ۔"

وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"اُس نے بات کی ہے آپ سے؟؟"

"نہیں۔۔بات ہی تو نہیں کرتا مگر یہ جو دل ہے نا نحوست مارا تھکتا ہی نہیں اُسے سوچ سوچ کر۔اسے پتا چل جاتا ہے کہ اس کا ٹکڑا چھیترا چھیترا ہو رہا ہے۔جا اُسے دنیا سے بچا کر میرے کول لے آ۔جا میرا لال،میرا پُت دیر نہ کر۔"

"اماں۔۔۔اماں میری بات سنیں میں کرتا ہوں اُس سے بات۔مجھے لگا کہ وہ ٹھیک نہیں تو قسم کھاتا ہوں اُسے اٹھا کر لانا پڑا تو لے آؤں گا۔"

وہ خاموش ہو گئیں تھیں۔وہ جانتی تھیں کہ وہ کہاں آئے گا۔وہ بھی ضد کا پکا تھا، نہیں آئے گا۔سر ہلائے شاہ میر کو جانے کو کہا۔اُس کے جاتے ہی خالدہ بیگم بولیں۔

"اماں کیوں پریشان ہوتی ہیں۔۔؟آرز ٹھیک ہو گا۔اُس کے پاس اُس کے اپنے ہیں۔"

"رہنے دو بھابھی، کیا سمجھاتی ہو انہیں۔ان کو تو وہ پتا نہیں کون سی سزا سنائے بیٹھا ہے۔یہ ہی پریشان ہو کر ماری ماری پھرتی ہیں۔انہیں کوئی نہیں سمجھا سکتا۔"

کہتی تو نفیسہ بیگم بھی ٹھیک تھیں وہ کہاں کسی کی سنا کرتی تھیں۔

مصطفیٰ صاحب اپنے بستر پر ٹیک لگائے کسی کتاب کا مطالعہ کرنے میں مگن تھے۔نائلہ بیگم نے انہیں پکارا۔

"مصطفیٰ۔۔!!"

"جی بیگم کہیے۔"کتاب بند کرتے وہ اُن کی جانب متوجہ ہوئے۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ ہم نے حیام کے معاملے میں جلدی کر دی ہے؟؟"

"ہمم نہیں اور ہاں بھی۔ لیکن میں مطمئن ہوں بیگم۔"

"کیوں۔۔؟؟" شاید وہ مطمئن نہیں تھیں۔

"اس لیے کہ وہ اپنوں میں رہے گی۔ اپنوں میں بھی کیا ہمارے ساتھ ہی، اپنی نظروں کے سامنے دیکھتے رہیں گے تو تمام ڈر ختم ہو جائیں گے۔ کیوں فکر کرتی ہیں آپ۔۔؟" نرم نگاہوں سے اپنی بیگم کو دیکھا۔

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں لیکن۔۔؟؟" وہ جھجکیں۔

"لیکن۔۔؟؟"

"آپ کو نہیں لگتا کہ ایک دفعہ اگر ہم اُس کی مرضی اُس سے پوچھ لیں۔۔؟؟"

ڈرتے ڈرتے سوال داغا۔

"نائلہ! آئندہ ایسی بات مت کرنا۔ وہ میری بیٹی ہے، مجھے زیادہ معلوم ہے کہ اُس کے لیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔۔؟؟"

لہجے میں ایک دم تلخی آئی۔ کہتے ساتھ ہی کتاب کا مطالعہ دوبارہ شروع کر دیا۔ صاف اشارہ تھا کہ وہ اب بات نہیں کرنا چاہتے۔ نائلہ بیگم خاموشی سے وہاں سے اُٹھ آئیں۔

آرز کچھ دنوں سے آفس تو آیا تھا لیکن دھیان کاموں میں بالکل نہیں تھا۔ وہ تو ابھی سوگ میں تھا، ماتم کناں تھا۔ اپنے رشتوں اور اپنی محبت کو رو رہا تھا۔ اُسے بار بار حیام کے الفاظ یاد آرہے تھے اور ان الفاظوں میں چھپی بد دعا، وہ کانپ جاتا تھا۔ فون کی بجتی رنگ ٹون اُسے حقیقت کی دنیا میں واپس لائی۔

"ہاں شاہ میر بول یار۔۔۔ خیریت ہے؟"

وہ کچھ نہ بولا۔

"بے جی ٹھیک ہیں نا؟؟ بول نا یار۔"

مگر دوسری طرف کی خاموشی اُسے بے چین کر رہی تھی۔

"حیرت کی بات ہے میرے یار ادھر تو مجھ سے اُن کے بارے میں سوالی ہے اور اُدھر وہ تیرے لیے خوار ہو رہی ہیں۔ اتنا پیار تو کوئی سگوں سے بھی نہیں کرتا۔"

اُس کے الفاظ میں چھپے طنز کو آرز نے خوب محسوس کیا۔

"ہاہاہاہاہا تو مجھ سے جل رہا ہے یار۔۔۔ اپنے دوست سے۔۔۔ اپنے بھائی سے؟؟"

وہ اتنے دنوں بعد آج مسکرایا تھا یا شاید اپنے درد کو وہاں تک نہ پہنچنے کے لیے دیوار کھڑی کر رہا تھا۔

"تجھ سے جلوں گا، تو پاگل ہو گیا ہے؟؟ تو آ کیوں نہیں جاتا یار۔ کیوں سزا دیئے ہوئے ہے اُنہیں۔۔؟؟"

"اُنہیں سزا دی ہی کب ہے میں نے؟؟ سزا میں نے خود کو دی ہے شاہ میر۔۔"

گہری سانس بھرے وہ اپنا دل آہستہ آہستہ باہر انڈیل رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نا آرز؟؟ یار تو ٹھیک نہیں تو مجھے بتانا۔ دیکھ تیرا بھائی تیرے لیے کچھ بھی کرے گا بس تو مجھے بتا۔"

"کاش کے بتا دینا اتنا آسان ہوتا۔ تجھے بتا کر تجھے کھو دیا تو جیسے سب کو کھو دیا ہے۔۔؟؟"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کو سب بتا رہا تھا پہلے کب کچھ اُس سے چھپاتا تھا وہ۔

"کس نے چھوڑ دیا ہے تجھے۔۔؟؟"

"مشعل نے۔۔ بازل نے اور۔۔۔"

وہ ایک پل کو خاموش ہوا۔

"اور؟؟"

مشعل کا نام سنتے ہی اسے مال میں ٹکرانے والی دونوں لڑکیاں یاد آئیں، وہ اُنہیں پہچان گیا تھا مگر پھر بھی تعارف نہ کروانا ہی بہتر سمجھا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس دن آرز بھی

وہیں موجود تھا ورنہ ضرور ملتا۔

"اور وہ جھلی لڑکی۔۔اُس نے بھی تیرے یار کو چھوڑ دیا ہے۔"

شاہ میر اس کے دل کی کیفیت سے آگاہ تھا وہ دونوں جگری دوست تھے، کیسے نا جانتے ایک دوسرے کے دل کی باتیں۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا، میں بتاؤں گا ناسب کو کے تیرا کوئی قصور نہیں۔میں بتاؤں گا کہ تو نے یہ سب کیوں کیا۔۔؟؟"

وہ اُسے بہلا رہا تھا۔

"شاہ میر وہ سمجھتی ہے کہ میں انا میں قید ایک پجاری ہوں جو صرف خود کو پوجتا ہے۔وہ مجھے بد دعا دے کر گئی ہے یار۔۔۔۔"

"کوئی بد دعا نہیں دی اُس نے تجھے۔"

شاہ میر نے اُس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"دیکھ اب تو بھی ڈر رہا ہے نا میرے لیے۔۔خیر مجھے ضروری کام ہے۔بعد میں بات کروں گا۔"

کہتے ہی کال کاٹ دی۔

سید زادے!

میں جانتی ہوں کہ نہ تم نے کبھی مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا، نہ ہی میں نے پلٹ کر دو محبت کے میٹھے بول بولے مگر محبت میں بھی بھلا کبھی اظہار کی ضرورت ہوتی ہے؟؟ محبت تو بن بولے اپنے ہونے کا احساس دیتی ہے۔

وہ جو لوگ کہتے ہیں نا کہ فلاں کے محبوب نے اُس سے اظہارِ محبت کر ڈالا ہے تو مجھے ہنسی آتی ہے کہ محبت کرنے والوں کو محبت کیا ہوتی ہے پتہ نہ ہو، کیسے ہو سکتا ہے؟؟ محبت اظہار تو نہیں مانگتی وہ تو ساتھ مانگتی ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیکھو!! میں نے بھی تمہارا بس ساتھ ہی تو چاہا تھا مگر معلوم ہوا کہ تمہیں تو خبر ہی نہیں کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ اب مجھے خود پر ہنسی آ رہی ہے۔ چلو چھوڑو، ہاں میں نے تمہیں اپنا قتل معاف کر دیا ہے لیکن محبت کا جو نقصان تم نے کیا ہے، وہ کون معاف کرے گا تمہیں؟؟؟؟

تمہاری اسیر

سید زادی

حیام اب کے روئی نہ تھی بس خاموش رہی تھی۔ اُس نے شاید چپ سادھ لی تھی۔ اُس

نے یقین کرنا چاہا تھا کہ آرز حسن اُس کا نہیں۔ وہ اُس کے کیے ہر وعدے پر یقین کرنا چاہتی تھی مگر اُس کی روح، وہ تو کسی بن پانی کے تڑپتی ہوئی مچھلی کی طرح اپنے محبوب کے ایک دیدار کی پیاسی تھی۔ وہ خط لکھنا نہ چھوڑ پائی تھی، اُنہیں البتہ ایک لکڑی کے بکسے میں ڈال دیتی تھی۔ وہ اب ڈر گئی تھی، نہیں چاہتی تھی کہ مزید اُس کی محبت کی رسوائی ہو۔ مگر جب نصیب میں رسوائی ہی ہو تو کوئی کیسے بھاگ سکتا ہے۔ تمام خطوط یوں سنبھال کر رکھے تھے کہ جیسے ایک دن وہ سب شاید بول اُٹھیں۔ آرز حسن نہ سہی، کہیں کبھی زندگی کے کسی موڑ پر وہ ہی اُس کی محبت کی صداقت کی گواہی میں بول اُٹھیں۔۔۔ شاید۔۔۔

آنسوؤں کو تو شاید اپنی من پسند جگہ مل گئی تھی اور وہ اُس لڑکی کی آنکھوں کے تمام دیئے بجھا کر بسنے کو آ گئے تھے لیکن ایک بدلاؤ آ گیا تھا کہ آنسو اب اُس کی بولی سمجھنے لگے تھے۔ وہ چاہتی کہ یہ رک جائیں تو وہ جمود اختیار کر لیتے، وہ چاہتی کہ آنکھوں کے کٹورے خشک رہیں تو مانو کہ وہ نین تو بس ایک بنجر علاقہ تھے۔ وہ جو کہتی کہ بہہ لو تو اس شدت سے بہتے کہ ہچکیوں کا سلسلا بندھ جاتا۔

نائلہ بیگم نے اُسے بات کا آغاز کرتے ہی سمجھایا مگر وہ جانتی تھی کہ موضوع کیا ہو گا اور جب سمجھانے بجھانے سے ہٹ کر اصل موضوع پر بات کی گئی تو اپنی ماں کی بے چینی

ختم کرنے کے لیے اُس نے ہامی بھر لی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُنہیں معلوم ہو کہ وہ خوش نہیں اور وہ اس گلٹ میں رہیں وہ اپنی بیٹی کے لیے کچھ نہ کر سکیں۔اُس نے اپنی اماں اور اپنے بابا کی تمام باتیں سن لیں تھیں اور جان گئی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق نہیں رکھتی۔

وہ پچھتا رہی تھی، وہ آرزحسن نہیں بننا چاہتی تھی۔وہ اپنے نصیب میں مزید سیاہی نہیں اُتارنا چاہتی تھی۔وہ اب تک ایک شخص کی دی گئی ذلت کو سنبھال نہ پائی تھی تو وہ کیسے خود وہ سیاہی اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر تھوپ لیتی۔وہ اپنے لیے اتنی کٹھور نہیں ہوئی تھی لیکن دوسری طرف اُس کی ماں تھیں۔وہ اُنہیں کیا بتاتی۔۔۔۔۔سچ یا جھوٹ۔۔۔؟؟؟سچ ایسا جس میں دنیا بھر کی کڑواہٹ موجود تھی یا پھر جھوٹ، جس میں سچائی کا تو ہر گز کوئی قطرہ بھی موجود نہ تھا۔

وہ اپنے بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی چھت کو تکے جا رہی تھی۔ذہن دور کسی نقطے کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔دروازے پر دستک ہوئی، مگر وہ وہاں موجود نہ تھی۔ آنے والا خود ہی اندر آ گیا، وہ دیکھنے کو تیار نہ تھی۔وہ گیا نہیں شاید وہ بھی بضد تھا۔آخر کو اُسے اٹھنا پڑا، سامنے بازل کھڑا تھا۔ایک لمحے کو وہ اُسے دیکھ حیران ہوئی مگر اگلے ہی پل اُس حیرانی کا نام و نشان ڈھونڈنے کو نہ ملتا تھا۔

"جی بولیں۔۔۔"

آواز میں پہلی سی نرمی موجود نہ تھی اور ہوتی بھی کیوں؟؟ حیام نے رشتوں کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔

"اب تم اپنے بھائی سے ایسے بات کرو گی؟"

"اچھا۔۔ تو آپ میرے بھائی ہیں؟؟ میں بھی کچھ دیر پہلے یہی سمجھتی تھی مگر کسی دوسرے رشتے کی ڈور تھامنے کی تگ و دو میں آپ مجھ سے کھو گئے ہیں۔"

آنسوؤں کو اُس کی بولی سمجھ آ گئی تھی تبھی قطرہ قطرہ بہنے لگے۔

"میری گڑیا۔۔۔ رومت۔۔۔"

وہ دو قدم پیچھے ہٹی مگر وہ اُس کا ہاتھ تھام گیا۔

"تم میری بہن ہو اور میں بھائی ہوں تمہارا۔ ہمیشہ رہوں گا۔ دنیا چاہے انکاری رہے تم یوں انکار کرو گی تو تمہارا یہ بھائی مر جائے گا۔"

وہ روتے ہوئے بازل کے سینے سے جا لگی۔

"تم خاموش رہو بس۔ جو ہو رہا ہے ہونے دو۔ بس مجھ پر یقین کرو، میں کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔ یقین ہے نا مجھ پر۔۔؟؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے اُس کا چہرہ تھامے بھائیوں والے مان کے ساتھ یقین کا سوالی تھا۔
اُس نے ہاں میں سر ہلایا، اُس کے پاس کھونے کو اب کچھ نہ تھا، کچھ بھی نہیں۔۔۔

رات میں کھانے کے وقت مشعل اُسے بلانے آئی لیکن ہر مرتبہ کی طرح اُس نے اس بار بھی انکار کر دیا۔

"تم کیوں نہیں چلو گی۔؟" وہ حیام کے پاس بیٹھ گئی۔

"تم جانتی ہو۔"

"تم اُس ایک شخص کی وجہ سے اپنی اماں کو تکلیف دے رہی ہو۔ وہ پریشان ہیں تمہارے لیے، میں پریشان ہوں، بازل بھائی۔۔۔ کسی کا خیال نہیں تمہیں؟ سب کو میں نے بتایا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ چلو اب بہت ہو گیا۔"

"مشعل۔۔!! مجھ سے نہیں ہو گا۔ مجھے فورس مت کرو۔"

وہ ڈھیٹ ہو گئی۔

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس لیے نہیں بتا رہی کہ تمہیں فکر ہونی چاہیے، اس لیے بتا رہی ہوں کہ تم چلو نیچے۔ سب کے ساتھ بیٹھو، ہم فیملی ہیں تمہاری۔ کسی ایک کے لیے

سب کو نہیں چھوڑا جاتا میری جان۔"

حیام نے کچھ لمحے اُسے دیکھا۔وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔وہ اُس شخص کے لیے سب اپنوں کو چھوڑ رہی تھی۔

"چلو۔"

وہ چلنے کو اُٹھ دی۔ مشعل اُس کا ہاتھ تھامے اُسے لے گئی تھی،وہ اپنے رشتوں اور اپنے وعدوں کی پکی نکلی تھی۔اُس نے کہاں چھوڑا تھا اِسے۔ہر مشکل میں ساتھ رہی تھی۔۔ پھر۔۔۔حیام کیسے اُسے کسی دوسرے کے باعث اگنور کرتی۔

وہ جیسے ہی مشعل کے ساتھ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تمام نظروں کا رخ اپنی جانب پاکر تھوڑی شرمندہ ہوئی۔وہ واقعی اپنے تمام رشتوں سے منہ موڑ رہی تھی۔وہ غلط تھی،وہ جان گئی تھی۔اُسے دیکھتے ہی سب سے پہلے ندا بیگم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے میرا بچہ!! شکر ہے تم نے اپنا چہرہ تو دکھایا،طبیعت ٹھیک ہے اب؟"

حیام نے مشعل کو متشکر نظروں سے دیکھا۔

"جی اب ٹھیک ہوں۔"

"ارے بیگم!اُسے بیٹھنے دیں۔سب باتیں کھڑے کھڑے ہی کر لیں گی گیا۔۔؟؟"

حسن صاحب نے اپنا حصہ ڈالا۔

سب بیٹھ چکے تھے۔ کھانے کے ساتھ باتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ حیام نے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا، اُس کے سامنے والی کرسی خالی تھی۔ آج وہ موجود نہ تھا۔ کسی کو اُس کی کمی محسوس نہ ہوئی تھی۔ وہ اکثر کام کی وجہ سے غیر حاضر رہا کرتا تھا مگر آج حیام کو اُس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پتھر دل ہو گئی تھی لیکن دل جتنا بھی سخت کر لو، کوئی نا کوئی شخص ہوتا ہے جس کے لیے دل روئی کے گالے سا نرم ہوتا ہے چاہے پھر سامنے دل کا اپنا قاتل ہی کیوں نا ہو۔ مشعل نے حیام کا ہاتھ پکڑ کر اُس پر دباؤ ڈالا، وہ حیام کی توجہ آرز پر سے ہٹانا چاہتی تھی اور کامیاب ہوئی۔ حیام سب سوچیں چھوڑ کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"چلو بھئی کھانا تو کھا لیا، حیام میرا بیٹا آج اپنے بابا کو اپنے ہاتھ کی بنی چائے پلا دو۔"

مصطفیٰ صاحب نے اُٹھتے ہوئے فرمائش کی۔

"جی بابا ابھی بناتی ہوں میں۔"

وہ بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چائے بنانے کے لیے اُٹھ گئی۔ آج وہ اتنے دنوں میں پہلی بار مسکرائی تھی وجہ اُس کے بابا تھے وہ تو جان تھے اُس کی۔

گھر کے تمام نفوس لیونگ روم میں بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے جب حیام اور مشعل

چائے لیے اندر داخل ہوئیں۔ حیام سب کو چائے دے کر واپس کمرے کی طرف جانے لگی جب حسن صاحب نے اُسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ بھی چپ چاپ آ کر اُن کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کوئی ناراضگی ہے اپنے تایا سے؟" وہ اُسے اپنے ساتھ لگائے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں، آپ سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں۔۔؟؟"

مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی کوئی بات تو ہے؟؟"

"ارے کوئی بات نہیں ہے پکا۔ آپ تو میرے دوست ہیں، وہ بھی پکے والے۔۔۔" ساتھ ہی آنکھ ماری۔

"ہاہاہاہاہاہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

باقی تمام لوگ تایا بھتیجی کو دیکھ مسکرا رہے تھے۔

"دیکھیں بھائی یہ بیمار کیا ہوئی ہے میری بیٹی کی تو آنکھیں بجھ گئی ہیں۔"

مصطفیٰ صاحب نے اپنی بیٹی کو پیار سے تکتے ہوئے کہا۔

"کہاں بھئی، ٹھیک ٹھاک ہوں۔ بس تھوڑا سا بخار ہی تو تھا۔"

"اچھا اچھا ایک حل ہے میرے پاس۔ حیام بھی ٹھیک ہو جائے گی اور باقی سب کی بھی تسلی ہو جائے گی۔"

مشعل نے تنگ آ کر بولنا شروع کیا۔

"وہ کیا۔۔؟؟" حیام نے پوچھا۔

"خالہ کی طرف چلتے ہیں۔ تمہارے بخار کے چکر میں پری کا برتھڈے مس ہو گیا ہم سے۔ مجھے تو حیرانی ہے اُس نے کال تک نہ کیا، یقیناً ناراض ہو گی۔۔"

"اُف میں بھول کیسے گئی۔۔؟؟ اچھا ٹھیک ہے، کل صبح چلیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ پھر ہم سب ساتھ چلیں گے، ضروری کام بھی تو ہے ہمیں۔"

ندا بیگم نے ساتھ ہی پلین ترتیب دیا۔ حیام نے جان لیا تھا کہ وہ ضروری کام کیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اُس کا دل بجھ گیا تھا۔

"ہمم۔۔۔ چلیں گے۔"

کہتے ہی وہ سر درد کا بہانا بنا کر وہاں سے اُٹھ گئی۔ مزید وہاں بیٹھنا اُس کے لیے مشکل تھا جبکہ بازل کی نظروں نے دور تک اُس کا پیچھا کیا تھا۔

سید زادے!

سُنا ہے جب محبوب جدائی کا پروانہ سُنا دیتا ہے تو جدائی محب کے لیے فرض ہوتی ہے اور اُس فرض سے منہ موڑ کر کفارے ادا نہیں ہوا کرتے۔ تم نے بھی جدائی مجھ پر فرض کر دی ہے تو دل چاہتا ہے کہ انکاری ہو جاؤں لیکن محبت پر مبنی کسی کتاب میں ایسا کوئی باب نہیں جس میں کوئی کفارہ ایسا بھی لکھا ہو جو میرے دل کے کہے پر آمین کہہ دے۔

ہاں، ایک حل میں نے تلاش لیا ہے۔ اب کے میرے نصیب میں جو سیاہی گھول دی گئی ہے وہ پی لوں گی مگر ایک ایسی کتاب لکھ دوں گی جس میں موجود ہر ورق آنے والی تمام نسلوں کے دل کی گواہیوں پر ایمان لائے گا۔ ہر محبت کی داستان میں جب جب ہجر کا سامان سجے گا تب تب اُس کی تلافی فرض ہو گی۔ اُس کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

وہ اندھیر کمرے میں اس طرز سے بیٹھا تھا کہ حویلی کے برآمدے کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں صرف اُس کا سایہ دکھتا۔ پہلی نظر میں کسی جیولے کا گمان ہوتا۔ حویلی کا

برآمدہ کھلے آسمان سے بکھرتی چاند کی چاندنی میں نہایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔وہ سست قدم اُٹھاتی برآمدے کے وسط تک آئی۔کالی چادر سے خود کو ڈھکے اُس نے چہرہ اُٹھا کر اُسی کھڑی کو غور سے دیکھا جہاں وہ بیٹھا تھا۔اپنا رخ اوپر کو جاتی سیڑھیوں کی جانب موڑے وہ تیز تیز قدم اُٹھانے لگی یوں جیسے کسی کام کی بہت جلدی ہو۔وہ سیدھا اُس کے کمرے سے منسلک اُسی کھڑی تک آئی اور وہیں ڈھیر ہو گئی۔اُس کے وہاں بیٹھتے ہی وہ یکدم سیدھا ہوا۔نظریں برآمدے کے چاروں اطراف گھوم رہیں تھیں یوں جیسے کسی کی موجودگی کا ڈر ہو۔

"میرا کام کر دیا آپ نے؟؟"

وہ اُسے دیکھتی سوال کر رہی تھی۔اُس کے ہر عمل میں بے چینی واضح تھی۔

"بولیں نا۔۔۔میرا بچہ ملا آپ کو؟"

آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"نہیں،میں کوشش کر رہا ہوں۔"

اُس نے سامنے بیٹھی ایک ماں کو اپنے بچے کے لیے تڑپتے دیکھا،آنکھیں ہر قسم کے جذبات سے عاری تھیں ہاں مگر آنسو آج سالوں بعد بھی نہ سوکھ پائے تھے۔

"کوشش؟ پچھلے تین سالوں سے آپ کوشش کے سوا کر ہی کیا رہے ہیں؟ مجھے میرا

بچہ چاہیے مجھے میرا بچہ لادیں۔"

وہ ہچکیوں سمیت رونے لگی۔وہ کچھ دیر اُسے یوں ہی تکتا رہا پھر ہاتھ کھڑکی سے باہر بڑھا کر اُس کے سر پر رکھا یوں جیسے تسلی دے رہا ہو۔

"میں لے آؤں گا اُسے۔وعدہ ہے میرا تمہاری جھولی خالی نہیں رہنے دوں گا۔"

"وعدہ؟؟"وہ بچوں کی طرح پوچھ رہی تھی۔

"وعدہ۔"

وہ وعدہ لیے ہر مرتبہ کی طرح چلی گئی تھی۔پچھلے تین سالوں سے ہر رات یوں ہی ہوتا آیا تھا۔وہ یوں ہی آیا کرتی تھی اور اُس کے پاس دینے کو صرف تسلی ہی ہوا کرتی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔سرخ و سفید رنگت،کھلے لمبے سیاہ بال جو کمر سے زرا نیچے تک تھے،آسمانی رنگ کا لمبا کُرتا جو اُس کے ٹخنوں سے زرا اوپر آتا تھا،کھلے پائنچوں والا ہم رنگ ٹراؤزر،ساتھ ستر نگی ڈوپٹہ اوڑھے وہ زمین پر چاند کی باسی معلوم ہو رہی تھی۔اُسے رنگ ہمیشہ سے ہی پسند تھے۔وہ تھی بھی رنگوں کی مانند لیکن آج وہ مختلف رنگوں سے رنگی بھی بے رنگ لگی تھی خود کو۔ابھی وہ خود کو دیکھنے میں مگن تھی کہ مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ماشاءاللہ!! بہت حسین لگ رہی ہو میری جان۔"

حیام کو کاندھوں سے تھامے اُس نے مسکرا کر اپنا چہرہ اُس کے سامنے کیا۔

"یہ بھی اچھی کہی تم نے۔"

وہ ہنسی مگر اُس ہنسی میں کتنا درد تھا اسکا مشعل کو بخوبی اندازہ تھا۔

"تم بھی اچھی لگ رہی ہو۔"

مسکرا کر کہتی وہ سامان سمیٹنے لگی۔

"چلو آجاؤ۔ بازل بھائی انتظار کر رہے ہیں۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"انتظار؟؟ وہ کیوں؟"

"ارے ناشتہ باہر کریں گے نا۔ دیکھو منع مت کرنا میں کہہ رہی ہوں۔ میری بات سے انکار کرو گی؟"

معصوم صورت بنائے وہ اُس کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔

"اچھا میری ماں چلو۔"

وہ دونوں مسکراتی ہوئیں نیچے لاؤنج میں آئیں تو سامنے بیٹھے آرز کو دیکھ حیام کی

مسکراہٹ سمٹی۔اُسے دیکھ ندا بیگم اُٹھیں۔

"ماشاءاللہ! کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔نائلہ اس کی نظر اتار دو کسی کی بری نظر نہ لگ جائے۔"

اُس کے منہ میں کڑواہٹ گھلی۔کوئی اُنہیں بتاتا کہ اُسے نظر کہاں لگ سکتی تھی،اُس کے پاس ایسا کچھ تھا ہی نہیں جو کوئی چھین لیتا۔اُس کے پاس تو وہ خود بھی نہیں تھی۔وہ خود پر پڑنے والی آرز کی نظروں کی تپش محسوس کر سکتی تھی۔اُس کی بے چینی شاید بازل نے محسوس کر لی تھی جب ہی وہ بول اُٹھا۔

"چلو مشعل چلتے ہیں ورنہ دیر ہو جائے گی۔مجھے تم دونوں کو چھوڑ کر آفس بھی جانا ہے۔"

"ہاں چلیں۔چلو حیام۔۔۔"

وہ اُس کا ہاتھ پکڑے باہر کو چلنے لگی مگر حیام نے اُسے روکا۔

"کیا مطلب۔۔؟؟اماں لوگ نہیں جا رہے۔۔؟؟"

"ارے بیٹا! آپ لوگ جائیں ہم لوگ بھی تھوڑی دیر میں نکل رہے ہیں۔"

جواب مصطفیٰ صاحب نے دیا۔وہ اُسے حیام کی فطری جھجک سمجھ رہے تھے کہ شاید وہ

بازل کے ساتھ جانے پر قطرار ہی ہو۔رشتے کی بات اب منظرِ عام پر جو آچکی تھی۔

"جی۔"

اب وہ کیا کہتی کہ وہ بھاگ جانا چاہتی ہے لیکن آج ہونے والی قیامت کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔وہ اپنی ماں کا سایہ اپنے ساتھ چاہتی ہے کہ اُس تک آنے والی ہر آفت کو شاید اُس کی ماں کا آنچل اپنی بیٹی تک پہنچنے سے روک دے۔

وہ چل پڑی تھی۔یہ اُس کے نصیب میں لکھ دیا جا چکا تھا کہ وہ نازل ہونے والی قیامت کے زد میں آنے والی ہر چیز کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو جائے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُس کے جاتے ہی آرزنے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا تھا۔حیام جس تکلیف سے گزر رہی تھی اُس کا حرف حرف آرزنے خود اُس کے چہرے پر عیاں پایا تھا۔اور یہ غم کی جو تحریر تھی وہ اُس نے خود ہی تو حیام کی جبیں پر اتاری تھی جس کی آگ میں وہ جھلس رہی تھی۔

وہ کتنا غلط تھا،وہ ایک مرتبہ کوشش تو کرتا۔وہ کیوں اُس کے نصیب میں نہ لکھی جاتی؟ وہ ایک دفعہ اُس کے لیے اپنے ماں باپ سے لڑتا تو صحیح،ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ انکار کرتے۔؟

وہ کیوں کمزور پڑ گیا تھا؟اُس کو اپنے سامنے یوں سجا سنورا دیکھ آرزو پر بے سکونی کا غلبہ طاری ہو گیا تھا۔حیام سے کوئی ایسی غلطی تو سرزد نہیں ہوئی تھی جس کی سزا وہ اُسے یوں دے رہا تھا۔

وہ کھلے صحن کے ایک طرف مٹی کا چولہا جلائے مکئی کی روٹی بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ہر مرتبہ روٹی چھانٹتے وقت وہ اُس سے ٹوٹ جاتی اور نئے سرے سے اُسے سب کرنا پڑتا۔کچے بنے مٹی کے اس چھوٹے سے گھروندے میں نام کا صرف ایک ہی کمرہ تھا۔چھوٹا سا صحن جس کے ایک طرف بانس کی چھت تلے دو چارپائیاں بچھی تھیں۔ چارپائیوں کے بائیں جانب وہ چولہا رکھے بیٹھی تھی۔دائیں جانب چھوٹا سا غسل خانہ تھا جس کا دروازہ ٹوٹ پھوٹ کے باعث اترنے کے قریب تھا۔

"آپا۔۔۔!!آپا دے بھی دے روٹی، بھوک سے میں مر جاؤں گا۔"

اُس کا چھوٹا بھائی جو کب سے بھوکا تھا اب کمرے سے آوازیں دینے لگا۔

"ٹھہر جا ویرے، بنا تو رہی ہوں۔"

مگر روٹی بننے کو تیار ہی نہ تھی۔موسم بھی آہستہ آہستہ خرابی اختیار کر رہا تھا۔ہوا زور زور سے گھر کے در و دیوار ہلا رہی تھی۔ہوا کے تھپیڑوں سے چولہا بجھنے کے قریب جاتا

تو وہ ایک ہاتھ سے سلگتی لکڑیوں پر تیل چھڑکتی۔اتنے میں اُس کا بھائی کمرے سے نکل اُس کے پاس ہی آ کھڑا ہوا۔

"آپا لگتا ہے تجھ سے روٹی نہیں بنی اور یہ دیکھ تو سارا تیل ختم کر دے گی۔ایسا کر تو رہنے ہی دے، میں بھوکا رہ لوں گا۔اماں کہاں سے لائے گی روز روز تیل۔"

اُس کے کہنے پر بیٹھی لڑکی نے تیل کو دیکھا۔ٹین کا کنستر واقعی ختم ہونے کے قریب تھا۔ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے،اتنے میں بھک سے چولہا بجھ گیا۔

"لے آپا دیکھ میں کہہ تو رہا تھا۔تو چھوڑ سب اندر آجا موسم خراب ہو رہا ہے۔یہ بے بے کب تک آئے گی۔۔؟؟"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ کہتا بہن کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگا اور ساتھ ساتھ سوال بھی کیے گیا۔

"پتا نہیں ویرے۔سُن تو بہت بھوکا ہو گا نا؟ میں ساتھ گھر سے تیرے لیے کچھ مانگ لاتی ہوں۔"

وہ جانے کو اُٹھ گئی۔

"رہنے دے آپا مجھے پتا ہے تو کتنی خوددار ہے۔کیوں میری خاطر اپنی خودداری کو اس راکھ کی چنگاریوں میں سینک رہی ہے؟؟ہم غریب ہیں لیکن بے غیرت نہیں ہیں۔تیرا ویرا ایک رات کچھ نہیں کھائے گا تو مرے گا تھوڑی۔"

بجھی ہوئی لکڑیوں کی راکھ سے اُبھرتی چنگاریوں کو دیکھ وہ اُسے کیا کچھ سمجھا گیا تھا۔ پھر صحن کا جائزہ لینے لگا کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ تسلی کر لینے کے بعد اندر چلا گیا۔ وہ وہاں کھڑی رہی۔ کتنا چھوٹا تھا اُس کا بھائی اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھدار۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ٹھیک تو کہتا تھا وہ غریب ہی تو تھے اور غریبوں کو اپنی چادر میں ہی رہنا چاہیے۔ چادر سے باہر منہ جھانکیں تو حقارت کی نظروں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ وہ آنسو صاف کیے اندر جا کر تخت پوش کے ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھ گئی۔ سردی پہلے سے قدرے بڑھ گئی تھی مگر لحاف کے نام پر صرف ایک چادر تھی جو گھس کر باریک ہو چکی تھی۔ نجانے کب بیٹھے بیٹھے وہ نیند کی وادی میں اُتر گئی۔ آنکھ کھلی تو کمرہ سورج کی آتی روشنی سے چمک رہا تھا۔ گردن گھما کر دیکھا تو اُس کے سوا وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ باہر صحن سے اُس کے بھائی کی دبی دبی آواز آ رہی تھی۔ وہ وہاں سے اُٹھتی باہر کو آئی تو سامنے اُس کی ماں چولہے کو جلائے روٹی سینک رہی تھی۔

"سلام بے بے۔۔۔!"

وہ کہتی اپنی ماں کے قریب ہی آ بیٹھی۔

"وعلیکم السلام! نیند پوری کر لی میری سوہنی دھی نے۔؟؟"

"ہمممم۔۔۔۔۔۔"

"آپا دیکھ بے بے حویلی سے کیا لے کر آئی ہے؟؟"اُس کا بھائی شوق سے اُسے برتن کا ڈھکن اُٹھائے اندر رکھا قورمہ دکھا رہا تھا۔

"بے بے یہ تو حویلی سے لائی ہے؟"

"ہاں اور کہاں سے لائے گی تیری ماں؟؟؟"

"تو کیوں لاتی ہے وہاں سے اُن کا بچا ہوا کھانا؟ میں بھوکی رہ لوں گی کسی کا جوٹھ نہیں کھاؤں گی۔"

وہ حقارت سے بولی تو اُس کی ماں نے اُسے غصے سے دیکھا۔

"تو نہ کھا آپا۔بے بے تو مجھے دے دے۔میں کھا لوں گا،مجھے بھوک لگی ہے۔بے بے ساری رات کا بھوکا ہوں۔"

"جا تو اندر بیٹھ کر کھا روٹی۔میں زرا تیری آپا سے دو باتیں کر لوں۔"

ساتھ ہی سادہ روٹی پر سالن ڈال اُسے پکڑایا۔وہ خوشی خوشی اندر کو بھاگا۔

"تیری ماں غریب ضرور ہے سعدیہ مگر ابھی اتنی ذلیل نہیں ہوئی کہ اپنی اولاد کو دوسروں کے منہ کا نوالہ کھلائے۔اور تو حویلی والوں کے اتنے خلاف کیوں ہے؟؟کوئی "جوٹھ نہیں دیتے وہ خود کھانے سے پہلے ملازموں کو دیتے ہیں۔

تو جھوٹ بولتی ہے بے بے۔"آنسو بہنے لگے۔"

تو جو جی چاہے من۔میری گل کان کھول کر سن لے۔ہم جو غریب ہوتے ہیں نا تو" دوسروں کے منہ سے اُگلا نوالہ بھی کھانے کو مل جائے تو شکر ادا کرتے ہیں۔دو دن بھوکا رہنا پڑ جائے نا تو سارے کس بل نکل جاتے ہیں۔غریب کی بیٹی ہے تو غریب کی۔ "تیری ماں بس بشیرا ہے،بشیرا بیگم نہیں ہے۔

وہ کہتے ہی اندر کو چلی گئیں جبکہ وہ پیچھے بیٹھی جلتے چولہے کو تکتی رہی۔

وہ کمرے میں ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھا،سامنے لیپ ٹاپ کیے کام کرنے میں مصروف تھا۔دروازے پر ہونے والی دستک نے اُسے سر اُٹھانے پر مجبور کیا۔

"آجائیں۔۔"

اُس کے کہنے کی دیر تھی کہ اجازت ملتے ہی مناہل فوراً اندر داخل ہوئی۔وہ سر پر دوپٹہ پھیلائے ہوئے تھی۔ہاں فرق بس اتنا تھا کہ حویلی کی عورتوں کی طرح وہ چادر میں نہیں تھی۔

"!!!بھائی۔۔۔"

وہ بولتے ہوئے شاہ میر کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

جی بھائی کی جان۔۔۔!!"وہ مسکرا کر اُسے دیکھ رہا تھا۔"

"آپ شہر کب جائیں گے؟؟"

نگاہیں کبھی کمرے کے چاروں اطراف گھومتی تو کبھی صوفے کے سائیڈ پر رکھی چھوٹی سی ٹیبل پر موجود گلدان کو گھما کر جائزہ لیا جاتا۔

"کیوں؟؟کچھ چاہیے۔۔؟؟"

نہیں،چاہیے تو کچھ نہیں۔۔۔۔وقفہ لیا گیا۔۔۔وہ ایک بات کرنا تھی۔۔؟؟"وہ" یکدم سیدھی ہوئی۔

"بتاؤ کیا بات ہے؟؟"

"آپ آرز بھائی کی منگنی پر جا رہے ہیں کیا؟"

"تمہیں کس نے بتایا کہ اُس کی منگنی ہے؟؟"

"وہ اماں بات کر رہی تھیں نا امی جان سے تو میں نے سُن لیا۔"

انگلیاں چٹخاتی وہ یوں جیسے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"بُری بات ہے کسی کی بات چھپ کر نہیں سنتے اور اگر سن لی جائے تو کبھی کسی
تیسرے کو نہیں بتاتے، چوری ہوتی ہے۔"

لہجہ ہمیشہ کی طرح ٹھہرا ہوا تھا۔

"جی بھائی! لیکن بتائیں نا آپ جائیں گے؟؟؟"

"ہاں جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔"

"مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے بھی جانا ہے۔"

ڈر ڈر کر بولتی وہ اصل مدعے پر آئی۔

"!!مناہل۔۔۔"

شاہ میر کی پیشانی پر بل پڑے۔

"بھائی! میں آپ کے ساتھ جاؤں گی نا بس۔ دیکھیں مجھے بہت شوق ہے آرز بھائی سے
ملنے کا۔ آپ اُن کی اتنی باتیں کرتے ہیں مجھے ملنا ہے اُن سے۔"

وہ شاہ میر کا بازو پکڑے التجائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مناہل آخری مرتبہ یہ بات اپنے ذہن میں بٹھالو کہ اس حویلی کے دروازے نہ تو کسی
عورت کے لیے کھلے ہیں نا کھلیں گے۔ میں اماں سے بغاوت نہیں کر سکتا۔ تم مجھے بہت

"پیاری ہو پھر بھی نہیں۔

وہ اُسے پیار سے سمجھاتا بہت کچھ باور کروا گیا۔

"جی، چلتی ہوں۔۔۔"

وہ کہتے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی۔آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

کمرے میں آتے ہی وہ آنسو بہانے لگی۔دروازہ کھلنے کی آواز پر سیدھی ہوئی،رخ موڑ کر آنسو صاف کیے لیکن آنے والے کی آنکھوں سے یہ منظر چھپا نا رہ سکا۔

"گڑیا تم رو رہی ہو؟"

"منال آپی۔۔!! نہیں تو،یہ آنکھوں میں کچھ چلا گیا تھا۔"

وہ مسکرا کر کہتی معصوم سی صورت بنائے کھڑی ہو گئی۔

"بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟کسی نے کچھ کہا ہے؟"

اُسے اپنے ساتھ بٹھائے وہ اُس سے پیار سے پوچھ رہی تھی۔اُس کے پوچھنے کی دیر تھی مناہل کی آنکھوں سے ٹپکا ٹپکا آنسو بہنے لگے۔

آپی!! وہ بھائی۔۔۔"وہ رو رہی تھی۔"

"نہیں مناہل۔۔۔۔میں مان ہی نہیں سکتی کہ وہ تمہیں کچھ کہہ سکتے ہیں۔"

مناہل مزید رونے لگی۔

"اچھا نا۔بتاؤ کیا کہا ہے انہوں نے؟؟؟"

میں نے بولا تھا کہ مجھے بھی شہر جانا ہے۔مگر ڈانٹا ہے انہوں نے۔کہتے ہیں اس حویلی" "کے دروازے کبھی کسی عورت کے لیے نہیں کھلیں گے۔۔

منال کی آنکھوں میں ایک تاریک سایہ لہرایا۔

"ٹھیک کہتے ہیں وہ۔"

آواز سہمی ہوئی تھی۔

آپ کو گھٹن نہیں ہوتی اس حویلی میں؟آپی مجھے کسی قیدی کا گمان ہوتا ہے۔میں باہر" "کی دنیا دیکھنا چاہتی ہوں۔

نہیں،مجھے گھٹن نہیں ہوتی۔تمہیں پتا ہے گھٹن تو اس حویلی کے باہر ہے اور باہر کی" دنیا بہت ظالم ہے میری جان۔اور تم تو شہزادی ہو،شہزادیاں بھی کبھی اپنے محلوں سے "باہر نکلا کرتی ہیں؟

وہ اُسے اپنے ساتھ لگائے نجانے کون سی زبان بول رہی تھی۔اتنی گہری باتیں اُس کی

سمجھ سے تو باہر تھیں۔

"شہزادیوں کو بھی سونے کے پنجرے بھلا کبھی اچھے لگے ہیں؟؟"

اُس کے پاس ہر جواب کے بدلے نیا سوال تیار تھا۔

"میری جان مجھے باقی شہزادیوں کا نہیں پتا، مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ یہ جو ہم سیدزادیاں ہوتی ہیں نا ہم اصل میں، سچ مچ کی شہزادیاں ہوتی ہیں اور ہمارا تعلق کسی شہر یا کسی بستی سے نہیں بلکہ پوری دنیا سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اسلام کی شہزادیاں ہیں اور "اسلام کی شہزادیاں تو چار دیواری میں اچھی لگتی ہیں نا؟؟

"تو کیا شہزادیاں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتیں؟؟ جیسے سنڈریلا۔۔؟؟ ہم کچھ کیوں نہیں کر سکتیں؟؟ ہمیں اپنے ابو جان اور بھائیوں کی اجازت کیوں درکار ہے؟"

"نہیں، کس نے بولا ہے کہ ہمارے ابو جان اور ہمارے بھائیوں نے ہم پر یہ پابندیاں لگائی ہیں؟؟ یہ حکم تو اللہ ﷻ کا ہے کہ ہم باقی عورتوں سے الگ جانی جائیں تاکہ لوگ جان سکیں کہ ہم شہزادیاں ہیں۔ ہمارے سامنے نظریں جھکانی ہیں، عزت سے۔ ہمارے بڑے تو صرف ہمیں ہمارے اصل سے جوڑ کے رکھتے ہیں۔ ہمیں برا لگتا ہے لیکن وہ نہیں چاہتے کہ ہم اپنی نادانی میں کوئی ایسی خطا کر جائیں جس سے جہنم کی آگ ہم پر حرام نہ رہے۔"

"اسی لیے آپ باہر نہیں جاتیں۔۔؟؟"

"ہمممم۔۔۔۔"

"میں بھی کبھی نہیں جاؤں گی۔پکا وعدہ۔۔"

وہ مسکرا کر کہتی منال کے ساتھ گلے لگ گئی۔

"میں تمہیں کبھی جانے نہیں دوں گی۔"

نجانے اُسے کس بات کا ڈر تھا۔وہ سوچوں میں گم ہو گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سید زادے!

میں سمجھی تھی کہ تمہارا محبت سے انکاری ہو جانا میرے لیے سب سے بڑا کرب ہو گا لیکن میں غلط تھی۔میں نے یہ اب جانا ہے کہ وہ انکار تو میرے دکھوں کا آغاز تھا۔ محبت کے اس سفر میں آنے والا ہر وار ہمیشہ پہلے لگے زخم پر ہی آ کر لگتا ہے کہ وہ زخم کہیں بھر ہی نہ جائے،تکلیف کہیں مند مل ہی نہ ہو جائے۔

مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ آنے والا ہر عذاب میرے دل کے پھپھولے کو ناسور بنا دے گا مگر رکو اس بات کی تسلی بھی ہے کہ تب تک میرے دل سے رستا خون تھم چکا ہو گا۔

مطلب سمجھ گئے ہو نا؟؟ میں مر گئی ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

تاریکی میں زمین پر بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی وہ کوئی بدروح معلوم ہو رہی تھی۔ کالا لباس اوڑھے، بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں لگا کاجل آنسوؤں کے ساتھ بہہ کر اس کے رخساروں پر سیاہ چھاپ چھوڑ چکا تھا۔ وہ کمرے سے منسلک بالکونی کا دروازہ کھولے بالکل اُس کے سامنے اس رخ سے بیٹھی تھی کہ روشنی کے نام پر چاند کی چاندنی اُس پر یوں پڑتی کہ اس کی ایک آنکھ اور اس میں سے بہنے والا سیاہ کاجل روشن ہوتا۔

آج کی رات مجھ پر بہت بھاری ہے۔ نہیں نہیں آج کی رات نہیں، اب تو آنے والی ساری زندگی ہی مجھ پر بھاری ہے۔ آج ہونے والی قیامت مجھ پر عذاب بن کر ٹوٹی ہے اور میرے منہ سے ایک سسکی تک نہ اُبھری۔۔۔۔ کیسے؟؟؟؟ وہ ہنسنے لگی۔ تمہیں پتا ہے آج میں نے ہر رنگ خود پر اوڑھ رکھا تھا، وہی رنگ جن سے مجھے عشق ہوا کرتا تھا۔ وہ سب مجھے بُرے لگنے لگے ہیں۔ حیران مت ہو مجھے سچ میں رنگوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ دیکھو یہ کالا رنگ مجھ پر بھلا لگ رہا ہے نا؟؟ وہ پھر ہنسنے لگی، اُس کی ہنسی رفتہ رفتہ قہقہوں میں ڈھلنے لگی تھی۔

وہاں اُس کے ساتھ کوئی موجود نہ تھا تو نجانے وہ کس سے بات کر رہی تھی۔ہاں یقیناً وہ سامنے منظر پر موجود چاند سے محو گفتگو تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں شاید۔۔۔۔۔۔

دونوں گھروں میں فنکشن کی تیاریاں ہفتہ بھر پہلے ہی شروع ہو گئیں تھیں۔طے یہ ہوا تھا کہ پہلے بازل اور حیام کی رسم ادا کی جائے گی تاکہ حیام بھی اگلے فنکشن میں شامل ہو جائے جو اُسی دن ہی تھا اور بات تو گھر کی تھی، بچے بھی اپنے تھے کیسی پابندیاں؟؟ کوئی حیام سے پوچھتا تو وہ کہتی کہ اب کیا وہ سید زادی نہیں رہی تھی جو کوئی عذر تلاش کر لیا جاتا۔اب اُس کے بابا کو کوئی اعتراض کیوں نہ ہوا تھا؟؟ خیر اتوار کا دن طے پایا گیا تھا اور تیاریوں کا آغاز حیام اور پری کے لیے کپڑوں کی پسند سے کیا گیا آخر کو دلہنیں بھی کیا کبھی بناہار سنگھار سجی ہیں۔۔؟؟ لیکن انہیں کوئی بتاتا کہ جب جنازے کے انتظامات طے پا رہے ہوں تو سجنے سنورنے کی کس نامراد کو ضرورت ہوتی ہے۔اُس دن تو سوگ کی جوگن خود آسمان سے اُترتی ہے، پوری تیاریوں کے ساتھ۔اور کمبخت سوگ بھی نجانے کیا چیز ہے کہ جب وہ آفتاب کی لو دیتی ہوئی کرنوں کی تھال جوگی پر انڈیلتا ہے تو پھر کسی دوسرے بناوٹی حسن کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔اُس کا حسن ہی اتنا دلکش ہوتا ہے اس لیے شاید کوئی آنکھ بھر کر دیکھتا ہی نہیں۔شاید اسی لیے کسی نے آج تک اُسے دیکھا ہی نہیں۔

اور آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس دن شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ناخوش ہوتا، سب خوش تھے مگر وہ چار جن کی زندگیوں کا فیصلہ کر کے اُنہیں کسی تماشے کی صورت تفریح کا سامان بنایا گیا تھا وہ ناخوش تھے۔ وہ خوش ہو بھی کیسے سکتے تھے؟؟ آج کا دن کوئی اُن سے پوچھتا کہ کیا ہے تو وہ کہتے کہ عذاب ہے، قیامت ہے، بس موت کا فرشتہ نازل ہونے کو ہے لیکن کوئی پوچھتا تو نا۔ ابھی تو صرف منگنی تھی اگر۔۔۔۔

وہ آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔ گلابی رنگ کا پاؤں کو چھوتا گاؤن جس پر سنہری رنگ کا کام اس طرح کیا گیا تھا یوں جیسے کلیاں ہوں، کلائیوں میں بھر بھر کر گلابی چوڑیاں اور مہندی سے رنگے ہاتھ جس کی خوشبو کی شاید وہ دیوانی ہوا کرتی تھی لیکن آج اُسے قے ہو رہی تھی۔ لائٹ میک اپ، بالوں کو کرل کر کے آگے کی طرف ڈالا گیا تھا اور ڈوپٹہ سر پر ٹکائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ وہ خود کو آئینے میں دیکھ لیتی تو یقین نہ کرتی کہ وہ ہی ہے لیکن اُس نے نگاہ اُٹھا کر خود کو دیکھا تک نہ تھا۔

وہ خط لکھ رہی تھی، نجانے آج بھی اُسے کیا سوجھی تھی کہ قلم تھام لیا تھا لیکن اس میں انسان کا بھی کیا قصور ہے، جب بربادی نے اپنے قدم گاڑنے ہوتے ہیں تو کوئی نا کوئی راستہ بن ہی جاتا ہے۔

سید زادے!

تمہیں پتا ہے کہ آج مجھے خوب بناؤ سنگھار کیا گیا ہے۔سب کہتے ہیں کہ آج خوشی کا دن ہے، جشن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔کوئی مجھ سے پوچھتا ہی نہیں کہ کیا میرے لیے بھی خوشی کا دن ہے؟؟کوئی مجھ سے پوچھے تو میں کہہ دوں کہ یار یہ جشن بند کر دو، یہ جو شادیانے بجائے جا رہے ہیں یہ میری سماعت میں غموں کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں، میرے کانوں سے لہو بہہ رہا ہے مگر کاش کوئی پوچھتا۔؟؟

تمہیں پتا ہے مجھے یہ مہندی بہت پسند ہے، مطلب تھی۔۔۔کبھی میں نے بھی خواہش کی تھی کہ تمہارے نام کی حنا اپنے ہاتھوں میں لگاؤں گی تو دنیا کی خوش قسمت لڑکی گردانی جاؤں گی لیکن۔۔۔یہ جو مہندی آج میرے ہاتھوں پہ سجی ہے وہ تو کسی دوسرے کی نسبت سے ہے۔مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے میرے ہاتھوں پر کسی نے جلتے ہوئے انگارے رکھ دیئے ہیں جس کی جلن مجھے اپنے پورے وجود کو جھلستی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔

کاش کہ تم نے مجھ سے منہ نہ موڑا ہوتا تو یہ مہندی تمہارے نام کی ہوتی اور اس کی خوشبو مجھے تمہارے لیے مزید دیوانہ بنا دیتی، میں تمہارے عشق میں اور پاگل ہو جاتی آرز حسن۔۔۔اور پاگل۔۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

ابھی اُس نے قلم بند ہی کیا تھا کہ دروازے پر دستک دے کر کوئی اندر آیا۔ حیام نے فوراً خط اپنے پیچھے کیا، مڑ کر دیکھا تو سامنے مشعل کھڑی تھی۔ لال رنگ کا سادہ پاؤں کو چھوتا کلی دار، بالوں کو طریقے سے باندھے، ڈوپٹہ سر پر پھیلائے ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟؟ ڈر کیوں گئی۔۔؟؟"

"نہیں، ویسے ہی۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام نے اپنا رخ واپس آئینے کی جانب موڑا اور خط وہی ایک طرف رکھی گجروں کی ٹوکری کے نیچے رکھ دیا۔

"اچھا چلو بلا رہے ہیں تمہیں نیچے۔۔۔ اور یہ دیکھو یہ گجرے بھی نہیں پہنے تم نے۔"

مشعل خود ہی اُسے گجرے پہنانے لگی اور حیام نے آنکھیں دو پل کے لیے بند کیں کہ شاید نگاہیں کھولنے پر حقیقت کچھ اور ہو، منظر بدل جائے مگر آہ۔۔۔ جب مشعل اُسے گجرے پہنا چکی تو سیدھی ہو کر دیکھا حیام نگاہیں بند کیے ہی کھڑی تھی۔ مشعل کے دل کو ٹھیس لگی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اپنی دوست کے لیے۔ وہ اپنے بھائی کی

کوتاہیوں کا مداوا کرنا چاہتی تو بھی کیسے کرتی۔۔۔

"حیام۔۔۔!!! مجھے معاف کر دینا۔۔۔"

ساتھ ہی وہ رو دی۔

"معاف۔۔۔وہ کیوں۔۔۔؟؟" حیام نے آنکھیں کھولیں۔

"میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکی حیام اس لیے۔۔۔۔"

مشعل نے حیام کے سامنے ہاتھ جوڑے۔اُسے روتا دیکھ حیام کی آنکھوں میں بھی موتی چمکنے لگے۔

"اچھا بتاؤ کیسی لگ رہی ہوں؟ لگ رہا ہے نا کہ بہت دل سے تیار ہوئی ہوں یوں جیسے برسوں سے دلہن بننے کی خواہش پوری ہو گئی ہو مگر دیکھو نا میری تو آج صرف منگنی ہے پھر بھی اتنا تیار لوگ توبہ توبہ کریں گے۔۔۔۔"

وہ اور بھی نجانے کیا اول فول بولے جا رہی تھی۔ مشعل نے اسے خاموش نہ کروایا۔وہ جانتی تھی کہ اس طرح وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔

"اچھا سنو!! بازل سے کہنا کہ وہ خود مجھے انگوٹھی پہنائیں۔میں اپنی منگنی پر اس خاندان کی تہذیب کی پرواہ ہر گز نہیں کرنا چاہتی۔"

"حیام۔۔۔۔" مشعل نے اُسے ٹوکا۔

"کیا۔۔؟؟" وہ مشعل سے نظریں نہ ملا رہی تھی۔۔۔۔"بولو بھی۔۔۔"

"تم نے بازل بھائی کہنا تھا شاید۔۔۔ تمہیں یقین تو ہے نا اُن پر؟؟ یہ منگنی وقتی ہے، وہ سب ٹھیک کر دیں گے۔"

"مجھے یقین ہے اُن پر لیکن مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں ہے۔اور تم اُن کو میرے جانے سے پہلے بتا دو کہ یہ منگنی وقتی نہیں ہے، اصلی ہے۔وہ تمام کوششیں ترک کر دیں کیونکہ حیام بخاری کو اب آرز حسن نہیں چاہیے۔آج یہ سجنے سنورنے سے پہلے حیام نے آرز حسن کے نام کی تمام کشتیاں جلا دی ہیں۔"

سفاکی سے کہتی وہ باتھروم کی طرف چل دی جبکہ پیچھے کھڑی مشعل نے اس کے لفظوں میں کتنی سچائی تھی اور کتنا جھوٹ جاننے کی کوشش کی تھی۔

گھر کے پورے لان کو سفید پھولوں سے سجایا گیا تھا۔سجاوٹ سے منصوب کوئی ایسی چیز نہ پائی جاتی جہاں پھولوں کو بطور سیکنڈ آپشن گردانا جاتا۔آخر کو حیام بخاری پھولوں کی دیوانی تھی۔لان کے ایک حصے کو سٹیج کے طور پر سجایا گیا تھا۔ سٹیج سے گھر کے داخلی دروازے تک کے فاصلے پر پھولوں کو یوں نچھاور کیا گیا تھا جیسے کوئی پگڈنڈی ہو۔آرز

حسن سفید شلوار قمیض پہنے لان کے ایک طرف کھڑا تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے اور نظریں بار بار اُس راستے کو تکتی تھیں جہاں سے حیام کی آمد متوقع تھی۔ آرز کے ساتھ کھڑے شاہ میر نے اُس کی بے چینی خوب اچھے سے نوٹ کر لی تھی تب ہی بول پڑا۔۔۔

"تو ایک بار پھر سوچ لے۔"

آرز نے چہرہ شاہ میر کی طرف کیا۔ سر تا پاؤں اُس کا جائزہ لیا۔ سیاہ شلوار قمیض، بالوں کو جیل سے پیچھے کیے، سیاہ شال کاندھوں کے گرد لپیٹے، وہ کسی سلطنت کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ دونوں کے مابین مشابہت ہر دیکھنے والے کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی تھی کہ کیا یہ جڑواں تو نہیں۔۔؟؟

"اچھا لگ رہا ہے تو۔"

چہرہ واپس موڑ لیا گیا۔

"میں جانتا ہوں آرز تو غلط نہیں ہے۔ لیکن تو اسے کوئی معمولی منگنی نہ سمجھ کہ آج ہو جائے گی تو کل ٹوٹ جائے گی۔ تو اچھے سے جانتا ہے۔۔۔"

آرز نے اُس کی بات کاٹی۔

"کس نے کہا ہے کہ یہ منگنی ٹوٹ جائے گی۔۔؟ منگنی نا ہو گئی کوئی گڈے گڈی کا کھیل

ہو گیا۔ یہ شہر ضرور ہے میاں مگر ابھی اس گھر کے افراد اپنی روایتوں سے خوب واقف ہیں۔ اچھے سے جانتے ہیں سب کہ منگنی ہو گئی سو ہو گئی۔"

نگاہیں بازل پر آ ٹھہریں، جو اُن کے پاس ہی آ کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک کہتا ہے آرز تو۔ منگنی ہو گئی سو ہو گئی۔ اب دیکھیں ناشاہ میر بھائی انسان کی منگنی تو ایک مرتبہ ہی ہوتی ہے تو اسے انجوائے کرنا چاہیے۔"

شاہ میر نے کوئی جواب نہ دیا البتہ آرز کی نگاہوں کا زاویہ نہ بدلا۔

"وہ کہتی ہے کہ خود انگوٹھی پہنانا۔ چل اپنے بھائی کی مدد کر، کیا کروں؟؟ نہ پہنائی تو ناراض ہو جائے گی۔ تو تو جانتا ہے اُسے۔"

بازل نے چہرے پر مصنوعی پریشانی ظاہر کی۔

"ابا سے کہا تو غصہ کریں گے کہ یہ عورتوں کے کام ہیں۔ لیکن اُنہیں سمجھنا چاہیے نا۔ منگیتر ناراض ہو جائے گی میری۔۔۔"

آرز کے چہرے پر غصے کی چھاپ نمایاں ہوئی۔ وہ جانے کیسے ضبط کیے ہوئے تھا۔

"بازل۔۔۔"

شاہ میر نے کچھ کہنا چاہا لیکن بازل پھر بول پڑا۔

"ارے ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔۔ابا کیوں منع کریں گے۔آخر کو گھر کے بچے ہیں۔ٹھیک ہے بھئی سادات کی تہذیب اور روایات ایک طرف مگر گھر کے بچوں کا بھی بھلا کبھی پردا ہوا ہے۔ہے نا آرز؟؟"

آرز نے بازل کی جانب قدم بڑھائے لیکن اتنے میں داخلی دروازے سے حیام مشعل کے ہمراہ سست قدم اُٹھاتی اپنے قریب آتی دکھائی دی۔ایک لمحہ لگا تھا آرز کے تاثرات بدلنے میں۔چہرے پر غصے کی جگہ مسکراہٹ نے اپنا بسیرا کیا۔آرز کے بدلے رویے نے شاہ میر اور بازل دونوں کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کیا۔لان میں موجود تمام مہمان ہی سانس روکے اُس پری کے مکمل حسن کو سراہنے میں مشغول تھے۔

آرز حسن کو وہ اپنے قریب آتے محسوس ہو رہی تھی۔آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے مگر پھر سے ایک لمحہ لگا تھا آرز کو خاک ہونے میں۔اُس کی آنکھوں کے تمام جگنو اپنی چمک کھو گئے۔چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ کرب،تکلیف نے گھر کیا۔بازل کا ایک جملہ آرز حسن کے دل کی دنیا اُجاڑ گیا تھا۔

"ابو نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے آرز،آئی ایم آلکی مین۔۔۔مجھے حیام سے محبت بھی ہو جائے گی۔"

آرز تو بس محبت لفظ پر اٹک گیا تھا۔آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔چہرہ موڑ کر بازل کو دیکھا

جس کی آنکھوں میں بس محبت ہی محبت تھی۔آرز حسن اندھا ہو گیا تھا۔وہ اُس محبت کی تفریق نہ کر سکا کہ وہ ایک بھائی کی اپنی بہن کے لیے تھی یا ایک نئے رشتے کی بدولت اپنی منگیتر کے لیے۔

حیام کو سٹیج پر بٹھا دیا گیا۔شاید بازل نے سب کو راضی کر لیا تھا تب ہی اُس کے ساتھ بیٹھا مسکرا کر اپنی ماں کو کسی بات کا جواب دے رہا تھا۔سب کے چہروں پر خوشی واضح تھی۔حیام نے نگاہیں اُٹھا کر آرز حسن کو دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔ایک کی آنکھوں میں درد تھا،تو دوسرے کی آنکھیں ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ایک کی نگاہیں منظر بدل ڈالنا چاہتی تھیں،تو دوسرے کی نگاہیں بے حس ہو گئی تھیں۔ایک کی آنکھوں میں موجود نمی بہہ جانا چاہتی تھی،تو دوسرے کی آنکھیں خشک تھیں۔آرز حسن چاہتا تھا کہ وہ ساری عمر یوں ہی اُس کی آنکھوں میں جھانکتا رہے لیکن حیام بخاری نے نظروں کا زاویہ بدل ڈالا۔آج وہ سزا دینے پر آئی تو ظلم کی انتہا کر گئی۔

شاہ میر نے آرز کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔آرز نے رُخ موڑ کر اُسے دیکھا۔

"شاہ میر یار کیسے۔۔۔۔کیسے روکوں؟؟"

بدن کا سارا خون نچڑ کر اُس کے چہرے پر آ گیا۔اس لمحے شاہ میر کو اپنے دوست پر ترس آیا۔پیچھے چلتے منظر نے اُس کے الفاظ بھی کھا لیے۔بازل مسکرا کر حیام کو انگوٹھی پہنا رہا

تھا۔ شاید وہ کچھ کہہ رہا تھا تب ہی حیام مسکرائی تھی۔ تمام مہمان سٹیج کے قریب جمع تھے۔ کسی نے آرز پر توجہ نہ دی ورنہ کوئی بھی اُسے دیکھ اُس کے دل کی حالت سے واقف ہو جاتا۔

"یار دیر کر دی ہے تو نے بہت۔"

ایک دم سے پیچھے کے منظر پر تالیوں کا شور اُبھرا۔ آرز نے آنکھیں موندے اپنی روح فنا ہوتے محسوس کی۔ وہ سست روی سے قدم اُٹھاتا گھر کے داخلی دروازے کی طرف چلنے لگا۔ شاہ میر نے حیام کے ایک طرف کھڑی مشعل کو دیکھا، وہ بھی کہاں خوش تھی۔ مشعل کی نگاہیں اپنے بھائی کے شکست زدہ قدموں کی چال دیکھنے میں مصروف تھیں۔ مشعل نے چہرہ موڑ کر شاہ میر کو التجائی نظروں سے دیکھا۔ وہ اُس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر آرز کے پیچھے ہی چل دیا۔

سید زادے!

دنیا والے کہتے ہیں کہ جو ایک مرتبہ دل لگا لے وہ ہر دوسرے شخص کے لیے ناکارہ گردانا جاتا ہے۔ آج معلوم ہوا کہ سچ کہتے ہیں۔ یہ جو پرانے زمانے کی پرانی سوچ کا لبادہ اوڑھے بوڑھے حیات ہیں، یہ بالکل سچ کہتے ہیں۔ ہم نئی نسل سمجھتی ہے کہ ہم

پڑھ لکھ گئے ہیں تو دنیا بھر کی عقل ہمارے ذہنوں میں قید ہو گئی ہے۔آخر یہ بھی سچ ہی ہے کہ واقعی تمام عقل قیدی ہے جس کا استعمال ہمیں آتا ہی نہیں۔وہ جو بڑے بوڑھے کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔دنیا دیکھنا کیا ہوتا ہے وہ جانتے ہیں۔ہم چار بس اسٹاپ گھوم لیں تو لگتا ہے دنیا دیکھ لی ہے، گھاٹ گھاٹ کا پانی پی لیا مگر ایسا نہیں ہوتا۔

ہم آج کی نسل کبھی ایک سے دل لگا لیتے ہیں اور کبھی دل بھر جائے تو کہتے ہیں کہ کوئی اور سہی۔دنیا بھری پڑی ہے۔اصل بات تو یہ ہے کہ دل خالی ہے۔دل خالی ہو جائے تو اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے چاہے دنیا بھری رہے۔کسی دوسرے کا ہاتھ تھام بھی لو تو اپنے ہاتھ خالی ہی لگتے ہیں۔اور پھر جب ساتھ چلنے والے کا دل ہمارے نام کی تختی باہر لٹکا لیتا ہے تو ہمیں یاد آتا ہے کہ ہم تو ناکارہ ہیں۔تو ہو گئی نا بات سچ۔اب دیکھو نا تمہیں اتنی سی بات سمجھانے کو یہ لمبی تمہید باندھی ہے میں نے۔کہنا تو بس یہ تھا کہ اب ہر کسی کے لیے ناکارہ ہوں میں یا شاید تمہارے لیے بھی۔یہ فیصلہ اب میں وقت پر چھوڑتی ہوں۔

تمہاری اسیر

سید زادی

اُس نے خط لکھتے ہی قلم توڑ دیا اور اُس کے ٹکڑوں کو ہاتھوں میں لیے دیکھنے لگی۔

"اس تکلیف کے لیے معاف کر دینا لیکن اب مزید ظلم نہیں کر سکتی تھی۔"

آئینے میں نظر اُٹھا کر اپنے عکس کو دیکھا اور پھر بولنے لگی یوں جیسے اُسی سے ہمکلام ہو۔

"اپنے کرب کی تحریر صفحے پر اُتارنے کے لیے جس جس چیز کا سہارا لو وہ ظلم ہی ہوتا ہے۔اب اس قلم کو ہی دیکھ لو۔۔۔۔۔ سرد آہ بھری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جب جب میں نے اپنا غم سنایا ہے صرف میری آنکھوں سے آنسو نہیں بہے ہیں۔۔۔اس نے بھی تو سیاہی بہائی ہے۔اس کی سیاہی جوں جوں کوڑے کاغذوں کو سمندر کے پانی کی مانند رنگتی گئی تب تب میرا دل اس سیاہی کے سمندر میں ڈوب کر اُبھرا ہے۔"

ایک مرتبہ پھر سے خود کو آئینے میں دیکھا۔آنکھیں بند کر کے ایک لمبا سانس خارج کیا۔

"لیکن فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔اب ایک آنسو تک نہ بہے گا اور نہ کوئی سیاہی۔"

خط کو بند کر کے بکسے میں رکھا۔تب ہی دروازے کو کھولے نائلہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

"حیام۔۔۔۔۔ چلو چلیں۔۔۔سب جانے کے لیے نکل رہے ہیں۔وہاں سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"جی اماں، آپ چلیں۔میں آ رہی ہوں۔"

کھڑے ہو کر ایک مرتبہ پھر خود کا عکس آئینے میں دیکھا۔

"بالکل نہیں، تم چلو پہلے۔ تمہیں چھوڑ کر چلی گئی تو آدھا گھنٹا تمہیں بھول ہی جائیں سب۔اُس بچی کا سوچو۔ منگنی ہے اُس کی۔آگے ہی اتنا لیٹ ہو گئے ہیں ہم۔"

"اچھا اماں، بس کر دیں۔یہ دیکھیں یہ میں جا رہی ہوں۔اب آپ آ جایئے گا۔"

وہ کہتی کمرے سے نکل گئی۔

"ہاں میں گجرے لے کر آتی ہوں۔"

گجروں کی ٹوکری اُٹھاتے نیچے رکھا خط اُن کے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔

ہرے رنگ کا گاؤن جو کہ ہو بہو حیام کے گاؤن سا تھا، پہنے وہ لیونگ روم کے صوفے پر بیٹھی، نظریں جھکائے اپنے قریب ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔اُنکے ہاں تقریب کا انتظام کیا تھا صرف گنتی کے گھر کے افراد۔ندا بیگم شاید اُس کے پاس بیٹھیں آرز سے متعلق کوئی بات کر رہیں تھیں جو کہ وہاں موجود نہ تھا البتہ حیام اور بازل دونوں موجود تھے۔دونوں کو ساتھ مسکراتے دیکھ پری کے دل میں خواہش جاگی تھی کہ کاش اُسے بھی کوئی من چاہا ہمسفر مل جاتا مگر ایک پل کو وہ تھمی۔وہ آرز کے رشتے سے انکاری تھی وجہ یہ کہ وہ اُس کو بھائی سمجھتی تھی تو پھر بازل بھی تو حیام کے لیے بھائیوں سا ہی تھا۔

مطلب کیا اتنا آسان ہوتا ہے دل کو منا لینا؟

(کیا میرا دل بھی بدل جائے گا؟ حیام کی طرح میں بھی تو خوش ہو سکتی ہوں۔ شاید میں ہی ایک چھوٹی سی بات کو بڑا بنا رہی تھی۔) ذہن میں کیا کچھ چلنے لگا۔

"چلو بھئی شائلہ اجازت دو مجھے۔ میں جلدی سے پری کو آرز کی نسبت کی انگوٹھی پہنا دوں گی تو سکون مل جائے گا۔"

پری کو پیار سے دیکھتی وہ شائلہ بیگم سے اجازت طلب تھیں۔

"تو تمہیں روکا کس نے ہے؟ پہنا دو تمہاری اپنی ہی بیٹی ہے۔"

اُنہوں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"پری ہاتھ دو بیٹا۔۔۔"

پری نے ایک مرتبہ اپنی ماں کو دیکھا جنہوں نے آنکھوں سے اُسے ہاں میں جواب دیا اور ساتھ ہی ہاتھ ندا بیگم کی طرف بڑھایا۔ ندا بیگم نے اُس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہناتے ہی اُس کے ماتھے پر پیار کیا۔

"خوش رہو۔ صدا سلامت رہو۔ آج سے پری میرے آرز کی امانت ہے تمہارے پاس۔"

مسکراتے ہوئے کہا گیا۔

"امی یہ سب باتیں چھوڑیں۔آپ پہلے جس کی منگنی ہوئی ہے اُس کا منہ تو میٹھا کروا دیں۔"

بازل کو اپنے بھائی سے ہزار شکوے ہی سہی لیکن پری اُسے عزیز تھی۔اُسے ہمیشہ وہ معصوم سی، سادہ سی لڑکی اچھی لگتی تھی۔وہ اپنی زندگیوں میں ہونے والی توڑ پھوڑ کے منفی اثرات اُس کی آنے والی زندگی پر نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے کیا کیا ہونے والا ہے۔وہ ہونی کو روک بھی نہیں سکتا تھا مگر تب تک کے لیے اُس کی خوشیوں کے لیے دعا ہی کر سکتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔"

میٹھائی کا ٹکڑا اُٹھائے جیسے ہی ندا بیگم نے پری کی جانب واپس رُخ کیا اُس کا چہرہ آنسوؤں سے دھلا پایا۔

"پری۔۔۔۔بیٹا کیا ہوا ہے؟" وہ رو رہی تھی۔

"پری تم خوش تو ہو نا؟؟"

لیونگ روم میں موجود تمام لوگ چپ سادھ بیٹھے رہے۔

"خالہ!!ایسی کوئی بات نہیں۔بس یہ آج ابا کو یاد کر کے سو دفعہ رو چکی ہے۔آخر کو اس کا بھی قصور نہیں۔ایسے موقعوں پر باپ ساتھ ہوں تب ہی بیٹیوں کے لیے اصل رونق ہوتی ہے۔"

بازل کے ساتھ بیٹھے سعد نے جیسے بہن کے آنسوؤں کو زبان دی۔

"کہتے تو تم ٹھیک ہو میاں پر کیا ہو گیا جو ایک باپ اس دنیا میں نہیں،دوسرا تو ہے نا؟"

مصطفیٰ صاحب نے مسکرا کر کہتے ہی پری کی جانب دیکھا۔وہ اُٹھ کر اُس کے قریب گئے اور اُس کے سر پر مان بھرا ہاتھ رکھا۔

"آج سے تم میری بیٹی ہو بالکل حیام کی طرح۔"

پری نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اُٹھا کر اُنہیں دیکھا۔

"چلو بھئی،اب اپنے بابا کے لیے مسکراؤ گی نہیں۔؟"

وہ مسکرا کر اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔جواب میں وہ بھی مسکرائی۔وہاں بیٹھے تمام نفوس مسکرا رہے تھے۔سوائے نائلہ بیگم کے جو نجانے کس سوچ میں گم تھیں۔بس یک ٹک حیام کو گہری نظروں سے تکے جا رہی تھیں۔حیام نے اُنہیں اپنی جانب یوں دیکھتا پایا تو مسکرائی لیکن وہ مسکرا بھی نہ سکیں۔حیام کو اُن کی نظریں عجیب لگنے لگیں۔اُسے اُلجھن ہوئی تھی۔ایک لمحے کو یوں لگا جیسے کچھ غلط ہے مگر پھر نائلہ بیگم نے نظروں کا

رُخ بدل دیا۔ وہ اب شاید ندا بیگم سے مسکرا کر کچھ بات کر رہی تھیں پر حیام اُنہی نظروں میں کھو گئی تھی۔ جو کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی اُس کا سکون غارت کر گئیں تھیں۔

وہ باہر لان میں بیٹھا نجانے کتنے سگریٹ پھونک چکا تھا۔ نگاہیں کب سے اُس سٹیج پر ٹکی تھیں جہاں کچھ دیر پہلے محفل سجی تھی۔ سارا لان خالی تھا۔ اُس کے سوا وہاں شاہ میر موجود تھا جو بس اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ مجال تھی جو ایک بار ٹوکا ہوتا۔ ایک مرتبہ پھر انگلیوں میں دبا سگریٹ سلگھ کر ختم ہونے کو آیا۔ اس سے پہلے کہ اُس کی انگلیاں جلتیں شاہ میر نے ہر بار کی طرح وہ اُس کے ہاتھ سے کھینچ زمین پر پھینکا اور جوتوں سے مسل دیا۔ اب کی بار اُس نے دوبارہ ہاتھ میز پر رکھی سگریٹ کی ڈبیہ کی طرف نہ بڑھایا۔

"شاہ میر۔۔۔۔"

"اُف شکر ہے تو کچھ بولا۔ چل بولنا شروع کر۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"تجھے معلوم ہے میں چپ کیوں تھا؟ کیوں اتنی بڑی قربانی دے دی۔ تیری ایک نہ سُنی۔ تو کہتا بھی رہا کہ ابھی بھی بول دے، یہ منگنی نہ ہونے دے لیکن میں۔۔۔" وہ ہنسا۔۔۔ "میں پتھر ہو گیا۔ معلوم ہے کیوں؟"

"تو پھر وہی باتیں دہرا رہا ہے۔ہاں مجھے معلوم ہے تو نے یہ سب چچا چچی کے کہنے پر کیا ہے،اُن کی عزت کے لیے۔کچھ نیا بتا۔"

شاید وہ چاہتا تھا کہ آرز اپنے دل میں دفن تکلیف کو باہر نکالے۔

"نہیں۔تجھے کچھ معلوم نہیں۔۔۔۔۔کچھ بھی نہیں۔"

آرز نے مسکرا کر شاہ میر کو دیکھا۔کیا کچھ نہ تھا اُس کی آنکھوں میں۔۔درد اور اپنے ہی درد پر اُڑاتی ہنسی۔شاہ میر نے سر جھکا لیا۔

"کیا معلوم نہیں ہے مجھے؟؟بتا مجھے؟؟"

"چل میرے ساتھ۔کچھ دکھانا ہے تجھے۔"

وہ کھڑا ہوا اور اُسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔اب وہ کیا کہہ سکتا تھا چپ چاپ اُس کے پیچھے ہی چل دیا۔

آرز اُسے لیے اپنے کمرے میں داخل ہوا اور شاہ میر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر وہ کھڑا رہا۔وہ آرز کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

آرز نے کمرے میں موجود لکڑی کی میز کا نچلا حصہ کسی ڈرار کی صورت باہر نکالا۔میز کو پہلی نظر میں دیکھ ایسا کوئی تاثر نہ ملتا تھا۔شاہ میر کو اُسے دیکھ حیرت ہوئی۔وہاں بہت سی

چیزیں تھیں۔آرز نے کچھ چیزیں الٹ پلٹ کر ایک خاکی رنگ ڈائری باہر نکالی اور شاہ میر کو تھمادی۔شاہ میر الجھن زدہ نظروں سے آرز کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

"کھول کر دیکھ۔۔۔"

پر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"میں ڈائری کی بات کر رہا ہوں شاہ میر۔"

آخر کو شاہ میر نے وہ ڈائری کھول لی۔وہاں کچھ نہ تھا بلکہ بہت کچھ تھا۔جیسے جیسے وہ ڈائری کے صفحات پلٹتا گیا اُس کے چہرے پر الجھن کی جگہ حیرت اور پھر حیرت کی جگہ افسوس کن مسکراہٹ در آئی۔

"ایک بات کہوں؟"شاہ میر نے ڈائری بند کر کے واپس آرز کو تھمائی۔

"ہمممم!!! کہہ دے۔تو بھی کہہ دے۔"

وہ اب ڈائری واپس رکھ رہا تھا۔

"رہنے دے۔"

اس سے پہلے آرز کچھ کہتا باہر گاڑی کے ہارن کی آواز آئی تھی مطلب کے سب واپس آ چکے تھے۔ایک مرتبہ پھر آسودگی نے اپنا بسیرا آرز کے دل میں کر کے اپنا گھر بنالیا۔وہ

شاہ میر کو وہیں چھوڑ بالکونی میں باہر نکل گیا۔

وہ بیڈ پر بیٹھی اپنی جیولری اُتار رہی تھی۔ذہن کچھ دیر پہلے حیام سے ہونے والی گفتگو میں الجھا سلجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ واپس گزرے ہوئے ماضی میں کھو گئی۔

وہ ابھی اپنی نام نہاد منگنی سے اُٹھ کر کمرے میں آئی ہی تھی کہ حیام اور مشعل اُس کے پیچھے ہی چلی آئیں۔سب سے پہلے حیام نے آگر بڑھ کر اُسے گلے لگایا تھا۔

"بہت مبارک ہو تمہیں۔"

"خیر مبارک۔۔۔تمہیں بھی بہت مبارک ہو۔"

جبکہ مشعل اپنی جگہ کھڑی رہی۔پری نے مشعل کو حیران نظروں سے دیکھا۔

"مشعل کچھ ہوا ہے کیا؟؟"

مگر وہ بس اُسے دیکھنے میں مگن تھی۔

"مشعل پری بلا رہی ہے تمہیں۔۔۔"

حیام نے مشعل کو ہلایا تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

"معاف کرنا وہ دراصل تم لگ ہی اتنی پیاری رہی ہو کوئی بھی تمہیں دیکھ کر کھو سکتا

ہے۔"

وہ مسکرا کر کہتی پری کے گلے لگ گئی۔

"بہت مبارک ہو۔"

"شکریہ۔۔حیام میں تم سے بات کر سکتی ہوں۔۔؟؟"

پری نے جوں ہی حیام کو دیکھا اُس کے چہرے کے رنگ بدلے تھے۔حیام نے مشعل کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔دونوں کے درمیان ہونے والے کسی عمل کا بھی اندازہ پری کے لیے مشکل تھا۔وہ تو بس حیام کے جواب کی منتظر تھی۔

"ہاں، کرو بات۔مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

مسکرانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔پری اُس کا ہاتھ تھامے اُسے ایک طرف رکھے صوفے پر لے کر بیٹھ گئی۔

"تم خوش ہو؟"حیام کے لیے یہ سوال عجیب تھا،بہت عجیب۔

"ہاں! میں خوش ہوں۔کیوں تمہیں نہیں لگتی؟؟"

جواباً سوال کیا گیا۔

"لگتی ہو اور میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ یوں ہی مطمئن اور مسکراتی رہو۔"

حیام کے چہرے کی مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔

"تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو پری؟"

سوال مشعل کی جانب سے آیا تھا۔

"میں کنفیوزڈ ہوں حیام۔۔۔۔"اپنے ہاتھوں کو باہم ملائے وہ زمین کو گھورنے لگی۔
مشعل نے حیام کو اشارہ کیا۔

"کس لیے۔۔؟؟"

"مطلب میں آرز کو بھائی سمجھتی ہوں اور یوں اچانک سے میں اپنے خیالات اُن کے لیے نہیں بدل پا رہی۔میں اُن کی بہت عزت کرتی ہوں حیام۔۔۔لیکن۔۔"

"لیکن۔۔؟؟"حیام کے لہجے میں بے چینی واضح ہوئی۔

"لیکن تم حیام۔۔۔۔لک ایٹ یو۔۔تم بالکل نارمل ہو جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔
بازل،وہ بھی تو تمہارا بھائی ہی تھا نا؟؟تم دونوں اتنے نارمل کیوں ہو؟"

پری نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"میں؟؟میں نارمل نہیں ہوں پری مگر میں تمہاری طرح کنفیوزڈ بھی نہیں ہوں۔وہ میرے بھائی ضرور تھے لیکن اب نہیں رہے۔ہاں،میں ٹھیک لگ رہی ہوں کیونکہ

میں نے قسمت پر سب چھوڑ دیا ہے۔میں اپنی قسمت سے لڑ نہیں سکتی اور جو بھی ہے میرے ماں باپ نے میرے لیے کچھ سوچ سمجھ کر ہی بازل کو چُنا ہو گا۔میں مطمئن ہوں۔تم بھی ہو جاؤ۔"

وہ اُس کا ہاتھ تھپتھپاتی اُسے مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی اور وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

"میں جا رہی ہوں حیام۔تم فری ہو جاؤ تو آ جانا۔"

مشعل کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔اُس کے لہجے کی تیزی حیام نے خوب اچھے سے محسوس کی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"چلتی ہوں میں سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ مسکرا کر کہتی چل دی مگر دروازے کے قریب جا کر رکی۔

"پری۔۔!!سب ٹھیک ہو جائے گا۔تمہیں بھی عادت ہو جائے گی۔یقین کرو میرا۔"

پری مسکرائی۔

شائلہ بیگم کی آواز پر وہ واپس ہوش میں آئی۔

"جی امی!!کچھ کہہ رہی تھیں آپ۔۔؟؟"

"کہاں کھوئی ہوئی ہو تم؟" وہ اُس کے پاس ہی آ بیٹھیں۔

"کہیں نہیں امی بس ایسے ہی۔"

"تم اپنی ماں سے کترا رہی ہو۔ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ۔۔۔۔۔"

پری نے اُن کی بات درمیان میں ہی اُچک لی۔

"بہت سوچ سمجھ کر کیا۔۔۔اور مجھے کوئی شک نہیں اس بات سے۔ آپ ماں ہیں میری۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔

"یہ بدلاؤ؟؟ حیرت ہے مجھے۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھ سے ناراض ہو گی۔"

"تھی۔" پری نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"پھر ایسا کیا ہوا؟؟"

وہ اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"حیام۔۔۔۔وہ کہتی ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے ان رشتوں کی عادت ہو جائے گی۔"

"چلو کسی کی بات تو تمہیں سمجھ آئی۔"

"ہمم۔۔!! ہم دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں امی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں۔"

اگر حیام وہاں موجود ہوتی تو کہتی کہ ہم ایک کشتی کے مسافر نہیں ہیں پری اور خدا نہ کرے کہ کبھی ہوں۔ میری کشتی تو کب کی ڈوب چکی ہے۔ میں نے مدد کے لیے تمہارا ہاتھ تھاما ہے لیکن کاش کہ تم وہ ہاتھ مجھے کبھی نہ دیتی۔ بعض اوقات یہ لوگوں سے ہمدردی ہمیں بہت مہنگی پڑتی ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تمہیں کیا ہوا ہے مشعل؟ کچھ بولو گی۔؟"

پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل حیام مشعل کے اس اچانک رویے کو جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت حیام کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ شام کے سائے پھیل چکے تھے۔

"مشعل میں تم سے آخری مرتبہ پوچھ رہی ہوں؟ میں تھک گئی ہوں اب۔۔"

"تم ابھی سے تھک گئی ہو حیام حیرت ہے مجھے۔"

مشعل کا کاٹ دار لہجہ حیام کے لیے نیا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

حیام کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہوئے۔

"تم بہت غلط کر رہی ہو حیام بہت غلط۔۔۔۔"

"مجھے بتاؤ مشعل؟ مجھے الحام نہیں ہو گا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"تم سب لوگ مطلبی ہو۔ سب اپنے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ کوئی پری کے متعلق کیوں نہیں سوچتا؟؟"

حیام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، وہ مسکرانے لگی۔

"میں مطلبی ہوں مشعل؟؟"

اُس نے تو شاید اور کچھ نہ سنا تھا۔ وہ ایک اُسی لفظ پر اٹک گئی تھی۔ مشعل نے چہرہ موڑ لیا۔

"ہاں، تم سب مطلبی ہو۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے، کل بھی تھی، آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ مگر تم سب اپنے بارے میں سوچ رہے ہو، صرف اپنے بارے میں۔"

مشعل کی آنکھوں میں بھی آنسو چمکنے لگے مگر وہ بہے نہیں تھے۔ وہ بھی اُس کی طرح

کٹھور ہو گئے تھے۔

"میں نے۔؟؟ میں نے اپنے بارے میں سوچا ہی کب ہے مشعل؟ اور تم کہتی ہو کہ۔۔۔"

وہ ہنسنے لگی۔اُس کی ہنسی میں کتنا درد تھا۔

"تم حیام! تم نے آج بازل بھائی کو اپنے انتقام کا مہرہ بنا کر اپنی چال چل دی ہے اور دیکھو تم مطمئن ہو۔ بازل بھائی، وہ تم سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ آرز بھائی کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ کھڑے تمہارے کھیل میں شامل ہو گئے ہیں۔اُنہوں نے ایک مرتبہ بھی بھائی کے بارے میں نہیں سوچا اور آرز بھائی۔۔۔۔"

آرز کے نام پر اُس کے رُکے آنسو بہنے لگے تھے۔

"وہ میرے بھائی ہیں حیام۔اُنہوں نے بہت غلط کیا۔ پھر بھی مجھے اُن سے محبت ہے اور میں مجبور ہوں۔اُن کی شکست اُن کے چہرے پر عیاں ہے۔ وہ اپنی بے بنیاد انا کی جنگ میں بھول گئے کہ وہ انسان بھی ہیں۔اور اپنے اپنے اس کھیل میں کسی نے یہ نہیں سوچا کہ پری۔۔۔اُس کا کیا قصور ہے؟ تم تینوں اُسے ایک کھلونا سمجھ کہ کھیل رہے ہو۔"

حیام کے بہتے آنسو تھم چکے تھے مگر اُس کے چہرے پر درد کی تحریر اب بھی رقم تھی۔

مشعل کے الفاظ اتنے تکلیف دہ تھے کہ اُن کی ضرب سیدھا اُس کے دل پر آ کر لگی

تھی۔چہرے پر آنسو جم چکے تھے۔

"میں مزید اس کھیل کا حصہ نہیں بنوں گی حیام۔تم، بازل بھائی اور آرز بھائی جو چاہو کرو، جتنا مرضی ایک دوسرے پر گھاؤ کے نشتر چلاؤ مگر میں پری کو مزید اس کھیل کا کھلونا نہیں بننے دوں گی۔"

مشعل حیام کے مقابل آکر کھڑی ہوئی۔

"تم پری کو سب سچ بتا دیتی نا حیام تو قسم کھاتی ہوں مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ اس جنگ میں تم پر آنے والا ہر تیر میں اپنے سینے میں سما لیتی۔لیکن مجھے پری سے بھی محبت ہے۔وہ انجان ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تم جو اُسے یقین کی ڈور تھما کر آئی ہو، وہ جب ٹوٹے تو اُس کا دل بہت آگے نکل چکا ہو۔تمہارا دل ٹوٹ چکا ہے حیام، تم کیسے کسی اور کا دل ٹوٹنے کا سامان باندھ رہی ہو۔؟؟"

وہ روتے ہوئے کمرے سے چلی گئی تھی۔

حیام وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔اُسے مشعل کے رویے کا دکھ ہوا بھی تھا تو اب نہ رہا تھا۔کیونکہ اُس کے الفاظ اُس کے رویے سے کہیں زیادہ کڑوے اور سخت تھے۔

(مطلبی۔۔۔۔نہیں میں مطلبی تو نہیں ہوں۔وہ مجھے کیا کہہ کر گئی ہے۔میں نے کونسا

کھیل کھیلا ہے۔ میرے ساتھ تو قسمت نے کھیل کھیلا ہے۔ میں تو مظلوم ہوں۔ میں نے تو کوئی جنگ نہیں لڑی، کسی کو کھلونا نہیں بنایا۔ ہاں میرا قصور یہ ہے کہ پری کے ساتھ غلط ہو رہا ہے۔ پر اُسے کیوں نہیں دکھتا میں چاہ کر بھی اُسے نہیں بتا سکتی۔ کیا بتاؤں میں اُس کو کہ میں اُس کی دوست ہو کر بھی دوست نہ بن سکی۔ اُس کے نصیب، اُس کے رشتوں اور اُس کے منگیتر۔۔۔۔۔۔۔۔۔)اس سے آگے حیام کی سوچ کو بھی الفاظ نہ مل سکے۔ آنسو قطرہ قطرہ بہنے لگے۔ یہ اُس کی قسمت میں کیا لکھا تھا وہ جاننا چاہتی تھی۔

روز ایک نیا عذاب، روز ایک نئی قیامت۔۔۔۔ اُس نے ہاتھ سے اپنی سسکیوں کا گلا دبانا چاہا مگر اُس کا واحد سہارا چھوٹ گیا تھا۔ آج سب بکھر گیا تھا۔ باہر موسم کی بڑھتی سختی، ٹھنڈ اندر رہنے والی توڑ پھوڑ کو مزید پتھرا رہی تھی۔ فرش کی بڑھتی سیت رفتہ رفتہ اُس کے وجود کو جمانے لگی۔ مگر اُسے ہوش نہ تھی۔

اُس کی ماں کمرے میں داخل ہوئیں۔ اُسے یوں بکھرے دیکھا۔ پل بھر کو اُسے یوں لگا کہ اُس کی ماں اُسے اس کرب سے آزاد کر دیں گی۔ اُسے اُن کے آنچل میں سمٹ کر کچھ دیر سکون ملنے کو ہے لیکن ایک اور قیامت اُس کی منتظر تھی۔

آج اُس کی ماں بھی اُس کی ماں نہ تھیں۔ اُن کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے کوئی جذبہ نہ تھا، کوئی بھی نہیں۔ اُن کے ہاتھ میں دبا ایک کاغذ جس پر ہزاروں سلوٹیں تھیں،

نجانے وہ کیا تھا۔اُس کی ماں نے وہ سلوٹ زدہ صفحہ اُس کے قدموں میں پھینکا اور اُس پر لکھا ایک نام اُسے سب کچھ باور کروا گیا۔حیام کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔ابھی بہت امتحان باقی تھے،بہت زیادہ۔

حیام نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر بے کار گئی۔بہت ہمت کر کے اپنی کہنیوں کو بیڈ پر رکھا اور وزن ڈال کر اُٹھنا چاہا مگر نہ اُٹھ سکی۔

"مت اُٹھو حیام۔تم اپنی ماں کی آنکھوں میں اب کوشش کے باوجود بھی گر کر اُٹھ نہیں سکتی۔"

نائلہ بیگم کے الفاظ تھے یا تیر۔حیام کو اب معلوم ہوا تھا کہ کچھ دیر پہلے مشعل کے الفاظوں سے ملنے والی تکلیف کچھ نہ تھی،کچھ بھی نہیں۔آنکھیں موندے اُس نے درد کو محسوس کرنا چاہا۔وہ خود کو ملنے والی اذیت کا اندازہ کرنا چاہتی تھی پر نہ کر سکی۔

"اماں۔۔۔۔"

کچھ کہنا چاہا مگر اُس کی ماں نے اُس کے الفاظ روک دیئے۔

"مت کہو مجھے اپنی ماں۔۔۔"

وہ سامنے رکھے صوفے پر ڈھیر ہو گئیں تھیں۔

"کاش کہ میں ماں کبھی نہ بنتی۔ کیوں میں نے تم جیسی اولاد کو پانے کے لیے دعائیں کیں، کیوں۔۔۔؟؟"

وہ رو رہی تھیں، چیخ رہی تھیں۔

"کاش کہ میں بانجھ ہوتی تو اتنی تکلیف نہ ہوتی مجھے۔ جتنی آج اس بات سے ہے کہ تم میری اولاد ہو۔۔۔"

حیام کے رونے میں تیزی آئی۔

"اماں! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میں۔۔۔۔ میں آپ۔۔۔ آپ کی بیٹی ہوں۔"

"مر گئی ہو تم میرے لیے آج سے حیام۔ کاش کہ تم مر جاؤ۔۔۔۔"

حیام کو سکتہ ہو گیا۔ وہ اپنی ماں کو تکنے لگی۔

"اماں۔۔۔۔۔" اُس کے الفاظ کھو گئے۔

"تم مر جاؤ حیام۔۔۔۔ تم مر جاؤ ورنہ سب تھو کیں گے تم پر۔ میں تمہاری تربیت اچھی کیوں نہ کر سکی؟ میرا قصور ہے نا۔ پر تم کیسے بھول گئی کہ تم سید زادی ہو؟ تم کیوں بھول گئی حیام؟؟"

حیام نے تڑپ کر اپنی ماں کے پاؤں پکڑ کر چومے اور نائلہ بیگم کی گود میں رکھے ہاتھ

پکڑے۔

"اماں آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔آپ تو میری پیاری اماں ہیں نا۔اور اماں آپ غلط کہتی ہیں کہ لوگ مجھ پر باتیں بنائیں گے، مجھ پر تھوکیں گے کیونکہ میں ایک سید زادی ہوں۔سید زادی ہونا میرا قصور نہیں ہے۔میرا قصور یہ ہے کہ میں عورت ہوں۔عورت محبت نہیں کر سکتی۔اس معاشرے میں عورت مٹی ہے اماں مٹی۔آپ، میں، ہم سب عورتیں مٹی ہیں۔خدا نے مرد کو مجازی خدا بنایا تھا مگر وہ سب مرد خدا بن کر بیٹھ گئے ہیں۔خدا بن کر بیٹھ گئے ہیں۔۔۔۔۔سب خدا بن گئے ہیں اماں۔۔۔"

روتے ہوئے اُس نے اپنا سر ماں کی گود میں رکھا۔

"تمہارے باپ کو، بازل، سب کو کیا جواب دوں گی میں حیام۔۔۔؟تم نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے۔بازل۔۔۔۔اُسے پتا چلا تو کیا سوچے گا۔۔؟؟کون کرے گا تم سے شادی؟؟؟"

اُنہوں نے حیام کو خود سے دور کیا۔حیام کے آنسوؤں میں مزید تیزی آئی۔

"بازل بھائی کو سب معلوم ہے اماں۔"

نائلہ بیگم کا ہاتھ اُٹھا اور حیام کے چہرے پر اپنی چھاپ چھوڑ گیا۔

"پہلی لڑکی دیکھی ہے میں نے جو اپنے منگیتر کو اپنی محبت کے قصے سنا رہی ہے۔تم اتنا

گر گئی ہو؟ تھوں ہے تم پر حیام۔۔۔۔۔۔"

وہ اپنی بیٹی کی رسوائی سے ڈر رہیں تھیں تو کچھ غلط بھی نہ تھا۔مائیں تو اپنی بیٹیوں کے نصیبوں سے ہمیشہ، ہر صورت ہی ڈرا کرتی ہیں۔

"یہ حق تو اسلام نے عورت کو دیا ہے تو پھر یہ ابنِ آدم کون ہوتے ہیں جو عورت سے اُس کی پسند کا حق چھین لیں۔؟؟ ہمارے حقوقوں کو آگ لگا کر یہ سب کے سب ہم پر بد کردار ہونے کا لیبل لگائیں گے تو اماں آپ کی بیٹی بد کردار نہیں ہو جائے گی۔ قسم لے لو مجھ سے اماں میں بد کردار تو نہیں ہوں۔میں گھر سے بھاگی بھی نہیں ہوں۔آپ کی اور بابا کی عزت کے خاطر کسی دوسرے کے نام کی انگوٹھی پہن کر بیٹھ گئی ہوں۔اگر ایسی بیٹی بد کردار ہوتی ہے تو مجھے اپنے ہاتھوں سے زہر دے دو۔ٹھیک کہتی ہیں آپ، میں مر کیوں نہیں گئی اماں۔۔۔۔۔میں مر کیوں نہیں گئی۔۔۔۔۔۔"

وہ ہچکیوں سمیت رونے لگی۔نائلہ بیگم نے تڑپ کر اپنی بیٹی کو اپنے سینے میں چھپا لیا۔وہ یہ سب کیوں نہ دیکھ سکیں۔وہ تو ماں تھیں، کیسے نہ دیکھ سکیں۔

"کس کس کو پتہ ہے حیام۔۔؟؟ بچہ اپنی ماں کو بتاؤ۔"

اُس کے آنسو صاف کرتیں، اُس کے منہ پر بار بار ہاتھ پھیرتیں وہ نجانے کیا کرنے کی سوچ رہی تھیں۔

"آرز۔۔۔آرز کو معلوم ہے کیا۔؟؟"

حیام نے گردن ہاں میں ہلائی۔اُنہیں جس بات کا ڈر تھا وہ تو بہت پہلے ہی اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا۔

"اماں!! مشعل۔۔۔۔۔۔"

وہ پھر سے رونے لگی۔اس کے آگے وہ کچھ نہ بول سکی، کچھ بھی نہ۔دونوں ماں بیٹی شدت سے رو دیئے تھے۔اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو کب واپس آئے گا میرے لال؟؟"

اماں بیگم اپنے کمرے میں موجود تخت پوش پر ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ہاتھ میں موجود تسبیح کے دانے مسلسل حرکت میں تھے۔

"کل صبح میں نکلوں گا اور دوپہر تک انشاءاللہ آپ کے پاس ہوں گا۔"

شاہ میر جو اس وقت آرز کے ہمراہ اُس کے کمرے میں ہی موجود تھا، بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھا اور نہایت محبت سے اُن کے ہر سوال کا جواب دینے لگا۔

"ہو گئی منگنی؟"

تسبیح کے چکر کھاتے دانوں میں ٹھہراؤ آیا۔

"جی ہو گئی ہے۔"

نظریں آرز پر ٹکی تھیں جو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے تقریباً لیٹا ہی ہوا تھا۔

"تمہارے پاس ہے وہ؟؟"

"ہمممم۔۔۔۔۔"

"بات کرے گا۔۔۔؟؟"

شاہ میر نے اُسے اشارہ کیا جسے پا کر آرز نے نہ میں سر ہلایا اور آنکھیں بند کر لیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"سو رہا ہے وہ۔ تھک گیا تھا بہت۔ آپ کہتی ہیں تو اُٹھا دوں۔۔؟؟"

"نہیں، رہنے دو۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"تو تو آ جائے گا نا کل۔ تیری اماں تیرے بغیر کھانے کا ایک لقمہ حلق سے نہ اُتارے گی۔ پہلے ہی بتا رہی ہوں۔"

اماں کی بات سن مسکراہٹ نے اُس کے لبوں پر اپنا بسیرا کیا۔

"فکر ہی نہ کریں۔آپ بس میری راہ دیکھتی رہیں۔ہو سکتا ہے کہ میں اُس سے بھی پہلے وہاں موجود ہوں۔۔۔۔"

"لے شہر گئے ایک دن ہوا ہے اور تو بولنے لگا وہاں کی زبان۔۔۔۔تجھے پتہ ہے وہاں کی زبان کیسی ہوتی ہے؟"

وہ خاموش رہا۔

"جھوٹ سے لبریز۔۔۔سچائی ہوتی ہی نہیں۔آنے کا وعدہ کر لو تو بھی کوئی نہیں آتا۔بیچارہ وعدہ تو وعدہ رہتا ہی نہیں، تسلی رہ جاتا ہے۔"

اشارہ آرزو کے کیے وعدے کی جانب تھا۔

"وہ بھی آجائے گا اماں۔۔۔۔۔۔۔۔"

"تو اُس کی چھوڑ بس تو آجانا۔اُس کے بنا رہنے کی عادت ہے۔تیرے بغیر تو نہ جیا جائے گا اور نہ مرا جائے گا۔"

شاہ میر کو دکھ ہوا لیکن دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔وہ سرد آہ بھر کر رہ گیا۔وہ کسی کو نہ سمجھا سکتا تھا، کسی کو بھی نہیں۔

وہ تخت پوش پر بیٹھی چادر خود پر اوڑھے نجانے کتنی دیر سے بے چین تھی۔ گردن گُھما کر اپنے بائیں طرف سوئے ہوئے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔ذہن کی ڈوریں جانے کون سے سرے سلجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔اُلجھے سرے تو شاید نہ سلجھے تھے مگر فیصلہ کر لیا گیا تھا۔شاید وہ وہاں کوئی فیصلہ کرنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔چادر خود پر سے اُٹھائے، پاؤں زمین پر رکھ کر اُٹھی۔پاؤں زمین پر رکھتے ہی سردی ہونے کا احساس ہوا۔ ٹھنڈا فرش رفتہ رفتہ اپنا سرد پن اُس کے وجود میں اُنڈیلنے لگا۔بڑھتی سردی نے اُسے ٹھٹھرنے پر مجبور کیا لیکن وہ جوتا پہن باہر برآمدے میں نکل گئی۔

باہر برآمدے میں آتے ہی اُسے اُس کی ماں سامنے زمین پر ایک طرف رکھے اسٹول پر بیٹھی نظر آئیں۔قریب آکر دیکھا تو وہ پانی کی بالٹی رکھے وضو کر رہیں تھیں۔وہ بھی اُن کے پاس وہیں ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی۔وضو کے دوران اُس کی ماں نے اُسے گھورا لیکن بولیں کچھ نہ۔وہ یوں ہی وضو کرتے ہوئے کچھ نہ بولا کرتی تھیں۔وہ وجہ آج تک نہ جان سکی تھی۔وضو کرتے ہی اُس کی ماں وہاں سے اُٹھ کر اندر کمرے میں آگئیں اور جائے نماز بچھا کر نیت باندھی۔اُس نے وہیں برآمدے میں بیٹھے گردن گھمائے کمرے کی کھڑکی سے نظر آتی اپنی ماں کو نماز پڑھتے دیکھا۔مسکراتے ہوئے وہ واپس چہرہ موڑ گئی اور سر اُٹھا کر آسمان تکنے لگی۔موسم کی بڑھتی خنکی اُسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ وہاں سے اُٹھ کر اندر جا بیٹھے لیکن سخت دل سے کیے اکثر فیصلے انسان کو من مارنے پر مجبور کر

دیتے ہیں۔وہ بھی شاید خود کو اذیت دینا چاہتی تھی۔نجانے کتنی دیر وہ وہاں بیٹھی آسمان کو تکتی رہی۔

"کُڑیے!! پاگل واگل تے نہیں ہو گئی؟نمونیا ہو جائے گا۔ٹھنڈ ویکھی ہے کہ کتنی ہو گئی ہے۔چل اُٹھ یہاں سے۔"

شاید اُس کی ماں نے نماز پڑھ لی تھی تب ہی برآمدے میں آ اُسے اُٹھنے کا کہنے لگیں۔

"بے بے آتی ہوں،تو جا۔"

وہ ابھی تک آسمان کو تکنے میں مصروف تھی۔

"نی کیا ویکھ رہی ہے آسمان کو؟؟"

وہ بھی واپس اُسی اسٹول پر بیٹھ گئیں جہاں سے تھوڑی دیر پہلے اُٹھ کر گئیں تھیں۔

"کچھ نہیں بے بے۔دیکھ نا آسمان کتنا پیارا لگ رہا ہے۔"

"اللہ کی بنائی ہر شے ہی پیاری ہے دھی!!اُس ذات نے مٹی کے ذرات سے لے کر پوری کائنات ہی خوبصورت بنائی ہے۔اتنی سوہنی کہ نظر چندھیا جائے۔"

"بے بے کیا میں بھی سوہنی ہوں؟؟"

نظریں آسمان سے ہٹائے وہ اپنی ماں کو تکتی سوال کر رہی تھی۔بشیرا نے چہرہ موڑ کر اپنی

بیٹی کی سانولی رنگت سے بھرے نقوش کنگھالے اور مسکرادی۔

"ہاں، میری دھی تو بہت سوہنی ہے۔ پورے گاؤں میں ہے کوئی سعدیہ جیسی سوہنی تو بتا۔۔۔؟؟"

"تو جھوٹ بول رہی ہے نا؟؟"

چہرے کے تمام جگنو بجھ گئے۔ چہرہ موڑ کر آسمان کو پھر سے تکنے لگی۔

"تو سب سے اتنی بدگمان کیوں رہتی ہے کُڑیے؟ اپنی ماں کا تو یقین کر لیا کر۔ میری دھی تو آسمان کا چاند ہے۔"

اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں وہ اُسے بہلا رہیں تھیں۔

"بے بے چاند پر داغ ہوتا ہے اور تیری بیٹی صرف داغ ہے۔"

اُس نے اپنے سانولے رنگ پر چوٹ کی۔

"چاند پر داغ ہے فیر وی پوری دنیا اس کے پیچھے کملی۔ ویکھ آسمان کو۔ آج ان بادلوں کے پیچھے چاند چھپ گیا ہے تو اس کی رونق ختم ہو گئی ہے۔ ذرا دل نہیں کرتا کہ اسے ویکھوں۔ تو بھی ایسی ہی بن جا کہ تو پردے پر سے ہٹے تو زندگی ویران ہو جائے۔"

"کیسے بنوں کہ لوگ بس مجھے یاد رکھیں بے بے، میرے داغوں کو بھول جائیں۔۔۔"

"بدگمانیاں چھوڑ دے۔لوگوں سے محبت کے دو میٹھے بول بول کر دیکھ،تجھے ساری دنیا ہی اپنی سی لگے گی۔یہ امیری غریبی، چھوٹے بڑے کا فرق نکال کر دیکھ،تجھے سب خود سے لگیں گے۔"

"پھر لوگ میرے عیبوں کو بھول جائیں گے؟"

"ہاں کُڑیے! چل اُٹھ جا اب اندر آ۔سردی سے کمر اکڑ گئی ہے میری۔"

وہ اُٹھ کر اندر کو چلنے لگیں لیکن اپنی بیٹی کے منہ سے نکلنے والے الفاظوں نے قدم روک دیئے۔

"بے بے! کل سے میں تیرے ساتھ حویلی جاؤں گی کام پر۔"

بشیرا نے مڑ کر اُسے دیکھا یوں جیسے کچھ غلط سُنا ہو۔وہ اُلٹے پاؤں واپس آ کر بیٹھی۔اُس کا رخ اپنی جانب موڑا اور کہنے لگی۔

"تو سچ میں کملی ہو گئی ہے۔تیرا علاج کروانا پڑے گا شاید۔۔۔"

"بے بے میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔بس تیرے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔اس گاؤں کی ساری عورتیں کرتی ہیں ناکام، میں کر لوں گی تو کیا جائے گا۔"

بشیرا کچھ نہ بولی۔

"بے بے!! میں تیری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو نہ کر میری مدد۔ گھر کی چار دیواری میں رہ لے، سمجھنا میری مدد کر رہی ہے تو۔ تو کیا مدد کرے گی میری سعدیہ؟ تو حویلی میں کس نیت سے جا رہی ہے مجھے سچ سچ بتا دے؟"

"کسی نیت سے نہیں جا رہی ہوں۔ بس اس چار دیواری سے نکلنا چاہتی ہوں۔ دیکھ بے بے میری بات سمجھ۔ تو ابھی خود ہی تو کہہ رہی تھی کہ امیری غریبی کا فرق چھوڑ دوں تو جانے دے نا حویلی۔ میرے دل کی میل نکل جانے دے۔"

بشیر اخاموش رہی۔ وہ بے بس ہو رہی تھی اور شاید سعدیہ یہی چاہتی تھی۔ لوہا گرم ہو تو ایک ضرب برداشت نہیں کر پاتا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ اُسے توڑ رہی تھی۔

"تو جو وہاں سے آنے والا ایک لقمہ نہیں نگلتی، وہاں کا کیسے کھائے گی؟"

"بے بے!! مجھے اُن کا جوٹھ کھانے سے مسئلہ ہے لیکن۔۔۔"

"کتنی دفعہ تجھے بتاؤں جوٹھ نہیں دیتے وہ۔ پورا گاؤں اُن کا دیا کھاتا ہے۔ جس دیگ میں اُن کے لیے اناج پکتا ہے، اُسی دیگ کا پکا اناج پورے گاؤں میں بٹتا ہے اور ایک تو ہے آئے رزق کو دروازے سے موڑ دیتی ہے۔ تو کیا جائے گی وہاں؟ بتا مجھے۔۔۔؟؟"

"بے بے مجھے چاند بننے سے مت روک۔ میرے راستے کی رکاوٹ نہ بن۔"

اُس کی کہی بات بشیرا کو آج حیران کر گئی تھی۔اگلے ہی پل اُس نے فیصلہ کر لیا تھا۔وہ اپنی بیٹی کی مٹتی بد گمانیوں کو جڑ سے اکھاڑنے کا راستہ ہر رکاوٹ سے آزاد کرنے کا سوچ چکی تھی۔

"سویرے جلدی اُٹھ جائیں۔دن اُگنے سے پہلے حویلی پہنچنا ہے ہمیں۔۔۔۔"

وہ کہتی وہاں سے اُٹھ گئی۔پیچھے بیٹھی سعدیہ کے چہرے پر پراسراریت سمیٹے ایک سایہ گزرا تھا۔

"اماں! آپ کی اور بابا کی شادی کیسے ہوئی تھی؟"

حیام اپنی ماں کی گود میں سر رکھے بیڈ پر لیٹی تھی۔

"تمہارے بابا نے مجھے اپنے کسی قریبی دوست کے ہاں شادی کی تقریب میں پسند کیا تھا۔اگلے چند دنوں میں ہی بات ہمارے گھر آ پہنچی۔تمہارے بابا اچھے خاندان، حسب ونسب سے تعلق رکھتے تھے،میرے بابا نے ذرا سا بھی اختلاف نہ کیا اور چند روز بعد ہی نکاح کے دو بول پڑھوا کر مجھے رخصت کر دیا۔"

نائلہ بیگم حیام کے بالوں میں ہاتھ پھیرتیں ماضی میں کھو گئی تھیں۔

"آپ کے بابا نے بھی آپ سے اجازت یا آپ کی مرضی نہیں مانگی؟"

وہ ہنسی۔

"نہیں۔۔لڑکیوں سے کب کچھ پوچھا جاتا ہے حیام۔بس فیصلے سنائے جاتے ہیں۔ تمہاری ماں کو بھی سُنا دیا گیا تھا اور اب تمہاری باری ہے۔لیکن تم فکر نہ کرو۔میرے بابا کا کیا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا اور۔۔۔"

حیام نے اُن کی بات کاٹی اور اُٹھ بیٹھی۔

"اماں! ضروری نہیں کہ کیے جانے والا ہر فیصلہ ٹھیک ہو۔کچھ فیصلے اکثر معاوضے میں ہم سے ہماری پوری زندگی چھین لیتے ہیں۔اور بابا کا یہ فیصلہ میرے لیے وہی معاوضہ مانگنے میرے گلے میں موت کی صورت اٹک گیا ہے۔لیکن آپ فکر نہ کریں۔بعض اوقات سید زادیوں کو مر کر دکھانا پڑتا ہے۔۔اُن کی ذات سے وابستہ پابندیوں کا پہرہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ اُنہیں مرنا پڑتا ہے اماں۔۔"

وہ مسکراتی ہوئی واپس لیٹ گئی،آنکھیں بند کر لیں۔اب کی بار اُس نے اپنا سر ماں کی گود میں نہ رکھا۔صاف اشارہ تھا کہ اب وہ بات نہیں کرنا چاہتی۔

وہ چپ چاپ اُٹھ کر کمرے سے چل دیں تھیں۔اُن کے جاتے ہی حیام نے بند آنکھیں وا کیں۔آنسو کا فقط ایک قطرہ پلکوں سے چھلک تکیے میں جذب ہو گیا۔اُس نے

خود سے وعدہ کیا تھا کہ اب کبھی نہیں روئے گی اور وہ نہیں روئی تھی۔ وہ پلکوں کی باڑ سے پھسلنے والا ایک آنسو صرف آب تھا، بے معنی۔ شاید اُس ایک قطرے کے بہہ جانے سے سمندر خشک ہو گیا تھا، قحط زدہ۔ جس کا سیراب ہونا حیام کی قسمت میں نہیں تھا اور یہ تو وقت نے بتانا تھا کہ آنے والی صورتحال، قحط زدہ آنکھوں کے کٹورے خوشی کی نوید تھے یا غموں کا مداوا۔

نائلہ بیگم جوں ہی اپنے کمرے میں داخل ہوئیں مصطفیٰ صاحب کو جاگتے پایا تو حیران ہوئیں۔ وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھے، ہاتھوں کو باہم ملائے فرش پر بنے نقوش کنگھالنے میں مصروف تھے۔ نائلہ بیگم اُن کے پاس آکر بیٹھیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ روشنی کے نام پر صرف ایک لیمپ جل رہا تھا جس کی روشنی ماحول کو پراسرار بنا رہی تھی۔

"آپ سوئے نہیں ابھی تک۔۔؟؟" جواب ندارد۔

"مصطفیٰ۔۔!! آپ ٹھیک ہیں؟"

ایک مرتبہ پھر خاموشی۔

"مجھے دیر ہو گئی نا؟ حیام کے پاس سے اُٹھنے کا دل ہی نہیں کیا۔"

شاید وہ چاہتی تھیں کہ خاموشی کی دیوار ٹوٹے۔ سناٹے سے ڈر لگنے لگا تھا۔ آج جو ہوا تھا اُس کے بعد تو یہ ڈر ساری زندگی کا تھا۔

"ہاں۔۔ تمہیں دیر ہو گئی نائلہ۔۔" خاموشی۔۔۔۔ "کاش کہ ہمیں دیر نہ ہوتی۔"

نائلہ بخاری اپنے شوہر کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

"مطلب؟"

مصطفیٰ صاحب نے اپنے باہم ملے ہاتھ کھولے اور اپنے ہاتھوں میں بچھی لکیروں کو تکنے لگے جو کہ کسی جال کی صورت الجھی ہوئی تھیں۔ آج اُنہیں اپنی قسمت کی لکیریں کچھ زیادہ الجھی ہوئی لگ رہیں تھیں یا وہ ہمیشہ سے ہی ایسی تھیں، وہ فیصلہ نہ کر سکے۔

"ہم ماں باپ جو ہوتے ہیں نا، کہنے کو بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں کہ ایک دن اپنی اولاد کے لیے یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ لیکن جب کرنے کا وقت آتا ہے نا نائلہ ہم سے کچھ ہوتا ہی نہیں۔"

چہرہ موڑ کر اپنی بیوی کو دیکھا۔

"حیام کے معاملے میں مجھ سے کچھ ہوا ہی نہیں۔ تم ایک اچھی ماں بنی لیکن میں ایک اچھا باپ نہ بن سکا اور میرے ساتھ ساتھ تم بھی ایک بری ماں کہلا رہی ہو۔"

اُن کے کہنے پر نائلہ بخاری نے چہرہ موڑ کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ آنکھوں میں جمے آنسو بہنے لگے۔ کتنی تگ و دو کی تھی اُنہوں نے کہ یہ آنسو رک جائیں۔ بند کمرے کے اُس پار ہونے والی گفتگو کا حصہ کسی تیسرے انسان کی سماعت سے دور رہے لیکن کیا کچھ ہو

گیا تھا؟ وہ بھی ایک دن، ایک رات، کچھ گھنٹوں میں۔۔۔ کیا سچ میں اتنی سی دیر لگتی ہے قیامت کے نازل ہونے میں۔

"مصطفیٰ!! حیام۔۔۔اُس سے غلطی۔۔۔۔"

مصطفیٰ صاحب نے اُنہیں ٹوکا۔

"غلطی اُس نے نہیں کی، غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔"

اُن کی آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔ وہ تو باپ تھے اور بیٹیاں تو اپنی ماؤں سے زیادہ اپنے باپوں سے قریب ہوتیں ہیں، وہ بھی تو تھی۔ ضرور اُن کی ہی محبت میں کوئی کمی رہی ہو گی جو وہ اپنے باپ سے ایک لفظ، ایک شکایت، ایک گلہ تک نہ کر سکی۔

"آپ اپنی بیٹی کو قصوروار نہ ٹھہرائیں۔ وہ نادان ہے مصطفیٰ! اُسے معاف کر دیں۔"

نائلہ بیگم نے روتے ہوئے اُن کے آگے ہاتھ جوڑے۔ مصطفیٰ صاحب نے فوراً اُن کے جڑے ہاتھ تھامے۔

"نائلہ میں اس وقت بہت تکلیف میں ہوں۔ مجھے یوں مزید تکلیف مت دو۔ آج میں صرف اس بات پر رونا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی اکلوتی اولاد کی خوشیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دی۔ ایک اچھا شوہر نہ ہونے کا رونا کسی اور روز روئیں گے۔"

نائلہ بیگم اُن کی باتیں سن صدمے میں چلی گئیں۔

"آپ خود کو ایسے۔۔۔۔۔۔۔کیسے؟؟"

"تم نے مجھے کہا بھی تھا کہ میں اپنی بیٹی سے اُس کی مرضی پوچھ لوں لیکن۔۔۔"

آواز حلق میں اٹک گئی، آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔نائلہ بیگم نے اپنے منہ پر مٹھی دبائے سسکیوں کا گلا گھونٹا۔

"وہ بالکل ٹھیک کہتی ہے۔۔"وقفہ لیا گیا۔"بالکل ٹھیک۔آخر کو میں وہی ایک پرانے رواجوں کی قید میں قیدی مرد نکلا جو چاہتا ہے کہ سب کی زندگیوں کا فیصلہ وہ خود کرے میری بیٹی اگر مجھ سے نفرت بھی کرے تو کم ہے۔میری اولاد آج جس کرب میں ہے اُس کا در میں ہوں، اُس کا سگا باپ۔۔"

نائلہ بیگم نے نہ میں سر ہلایا اور مصطفیٰ صاحب کا بازو پکڑا، چہرہ اپنی جانب موڑا۔

"مصطفیٰ! وہ ہماری بیٹی ہے۔وہ آپ سے نفرت نہیں کر سکتی۔"

"اگر۔۔۔"اُنہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر کہا نہیں۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔وہ تو صدا سے آپ کی محبت کی بھوکی رہی ہے۔ایسا نہیں کہ آپ نے اُسے محبت نہیں دی۔فرق اتنا ہے کہ اُس پاگل کی روح ایک اندھی کھائی ہے جس

میں دنیا بھر کی محبت سما سکتی ہے۔اُسے جتنی محبت بھی دے لو بدلے میں اگلی مرتبہ دو گنا مزید محبت چاہتی ہے۔آپ اُس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھیں گے تو پگھل کر موم ہو جائے گی۔"

"میں ابھی جاتا ہوں۔۔۔"

وہ آنسو صاف کیے اُٹھ کر چلنے لگے مگر نائلہ بیگم نے اُنہیں روک دیا۔

"ابھی مت جایئے گا۔"

کتنے گھنٹے گزر چکے تھے، وہ دونوں اپنی پہلی سی حالت میں ہی بیٹھے بیتے دنوں کو یاد کر کے کبھی ہنس دیتے تو کبھی رو دیتے۔اُن کی ہر بات، ہر یاد حیام سے جڑی تھی۔اُس کی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کیسے ماند پڑتی گئی، وہ دونوں دیکھ ہی نہ سکے۔

"مصطفیٰ! آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"میں تو اُس کو دیکھنے گیا تھا وہاں۔جب سے منگنی کی باتیں چلیں ہیں ایک مرتبہ بھی اُس کو اپنے ساتھ بٹھا کر بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔مجھے کہاں معلوم تھا کہ وہاں میری کوتاہیوں کا بازار سجا ہے۔لیکن اب جب تمام معاملہ میرے علم میں آگیا ہے نائلہ تو میں اپنی بیٹی کو مزید جہنم کی آگ میں نہیں جلنے دوں گا۔کل ہی بات کروں گا بھائی سے۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟ خدارا یہ غلطی مت کیجئے گا۔ آپ کچھ بھی نہیں جانتے سوائے اس کے کہ وہ محبت کرتی ہے آرز سے۔"

"تو مجھے بتاؤ نائلہ تاکہ میں کچھ کر سکوں۔"

وہ کتنے بے بس تھے آج۔

"آپ کی بیٹی بہت آگے نکل چکی ہے اس یکطرفہ محبت کے راستے پر اور وہاں سے واپسی کی راہ ممکن نہیں۔ آپ اُس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے سوائے دعاؤں کے۔ آرز تو محبت سے صاف انکاری ہے جبکہ بازل وہ سب جانتے ہوئے بھی حیام کے ساتھ کھڑا ہے۔ اور پری کے سر پر آپ نے باپ بن کر ہاتھ رکھا ہے تو اُسے باپ بن کر دکھایئے گا، ضرور۔ اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لیے دوسری کی خوشیوں کو آگ میں مت جھونکیے گا۔"

بس اتنا کہنا ہی کافی تھا اُن کا۔ ایک بے بس باپ کے ہاتھ پاؤں مارتے وجود میں سکوت چھا گیا۔

کسی کچی بستی میں واقع ایک کچے گھر میں جو کہ مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا، چھوٹے بچے کے رونے کی آواز پوری بستی کے سناٹوں کو چیرتی انتشار برپا کر رہی تھی۔ سردی

مزید بڑھتی جارہی تھی۔ایسے میں دن کی پھوٹتی روشنی میں ایک بچہ جس کی عمر شاید تین سے چار سال تھی اندازہ لگانا مشکل تھا، چارپائی کا سرا پکڑے رونے میں مصروف تھا۔شاید وہ چارپائی پر لیٹے وجود کی توجہ چاہتا تھا۔جب وہ چپ نہ ہوا تو چارپائی پر لیٹا وجود سیدھا ہو بیٹھا۔چہرے پر الجھن کے تاثرات واضح تھے۔

"کیا مصیبت ہے؟جب گھر آؤ یہ نحوست مار رونے لگتا ہے۔سکون کے دو لمحے ملنا دشوار کر دیا ہے میرا تو نے کمبخت۔۔۔"

وہ چلا چلا کر بچے کو بولے جارہا تھا جو ڈر کر چپ ہو گیا تھا۔

"کدھر ہے تو بے بے۔۔؟اس منحوس کو لے جا یہاں سے۔"

اُس آدمی کی ماں اُس کی آواز سُنتے ہی کھلے صحن میں آئی اور بچے کو پکڑ کر اندر لے جانے لگی۔

"ہاں،اس عمر میں مجھ بوڑھی سے یہ زمادار یاں پوری کرواؤ تم لوگ۔جب بچے پلتے نہیں ہیں تو پیدا کیوں کرتے ہو؟"

اُس کا بیٹا بھی منہ بسورے اندر آگیا۔

"مجھے شوق نہیں ہے بے بے اس منحوس کو پالنے کا۔دل چاہتا ہے کہیں پھینک آؤں۔"

ساتھ ہی کمرے کے ایک طرف دروازے پر سے لٹکی ہوئی چادر اُتار کر خود پر اوڑھی۔

"تو پھینک آ اس منحوس مارے کو اس کی کمبخت ماں کے پاس۔"

"ایسے کیسے ؟؟اُس کو دے آؤں تو وہ تڑپے گی کیسے۔۔؟اتنی جلدی اُس کی پیاس بجھنے نہیں دوں گا میں۔"

اُس کی آنکھوں میں کوئی جنون سوار تھا۔

"تو سنبھال پھر اس کو اور جہاں جی چاہے بھاگتا پھر، جہاں چھپنا ہے چھپ جا۔مجھے یہیں چھوڑ دے۔چین سے جی لینے دے مجھے جمال۔"

"ٹھیک ہے، بیٹھی رہ یہیں۔کل چلا جاؤں گا میں اس کو لے کے۔پر یہ یاد رکھ وہ مار دیں گے تجھے۔مر جائے تو یہ امید نہ رکھیں کہ تیرے لیے میں موت کے منہ میں واپس آؤں گا۔"

ایک مرتبہ پھر بچے نے رونا شروع کر دیا تھا شاید وہ بھوکا تھا۔اور وہاں اُس کی بھوک مٹانے کی فکر کسی کو نہ تھی۔

"ہر وقت چیں چیں چیں۔۔۔۔جا رہا ہوں میں باہر۔"

کہتے ساتھ ہی وہ گھر سے باہر نکلا۔پیچھے منظر میں بچے کے رونے میں کمی آئی تھی۔شاید

اُس عورت نے اُسے اُس کی غذا دے دی تھی۔

وہ چلتا ہوا گلی کے موڑ تک آیا۔خود کے گرد لپیٹی چادر میں خود کا منہ ڈھانپ رکھا تھا یوں اُسے کوئی نہ پہچان سکتا تھا۔گلی کے موڑ پر ایک آدمی کھڑا اُس کا منتظر تھا۔اس کے آتے ہی وہ ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"بتا کہاں تک پہنچا ہے وہ بابو۔۔؟؟"

"آج کل شہر کی مٹی میں کھیل رہا ہے مگر اُس کے آدمی دندناتے پھر رہے ہیں تیری تلاش میں۔"

"یہاں کب تک پہنچے گیں؟"

"امید ہے کہ یہاں کی خبر تک نہ ہو گی لیکن بچ بچاؤ تو کرنا ہی پڑے گا۔اُس کا دماغ اتنا چلتا ہے کہ یہاں کی مٹی میں تیری مہک سونگھ تیرے گلے تک پہنچ جائے تو تجھے پتہ نہ چلے۔"

اُسکا اتنا کہنا تھا کہ جمال نے اُسے دیوار کے ساتھ لگائے اُسکی گردن پر اپنا ہاتھ گاڑھا۔

"وہ شہر سے ضرور پڑھا ہے مگر مجھے جانتا نہیں ہے۔جتنا بھی عقلمند ہو جائے مجھ سے دو قدم پیچھے ہی رہے گا وہ بابو۔۔۔اور اپنی زبان سنبھال کر میرے سامنے، سمجھا؟"

شکاری کی قید میں تڑپتے شکار نے ہاں میں سر ہلایا تو اُس کی جان بخشی ہوئی۔ سانس رکنے سے اُسے کھانسی ہونے لگی۔ جمال نے اُسے پاؤں مار کر گرایا اور غصے میں واپس اُس مٹی کے ڈھیر کی راہ لی۔ لیکن اس مرتبہ وہ نہیں جانتا تھا کہ موت دبے قدموں اُس کے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

اُسے ہمیشہ سے اپنی نیند بہت پیاری تھی لیکن اب اُس کی نیندیں آدھی رہ گئیں تھیں۔ بعض اوقات تو وہ چاہتی کہ سو جائے مگر نیند اُس پر مہربان ہی نہ ہوتی۔ ساری ساری رات وہ جاگ کر گزارتی۔ آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ ساری رات کی جاگی اپنے بیڈ پر لیٹی، آنکھیں چھت کو تکنے میں مصروف تھیں۔ ایسے میں مصطفیٰ صاحب دروازے پر دستک دیئے اندر داخل ہوئے۔ اُس نے گردن گھما کر اپنے باپ کو دیکھا تو مسکرائی اور فوراً اُٹھ بیٹھی۔

"مجھے یاد ہی نہیں پڑتا بابا کہ آپ آخری مرتبہ کب یوں میرے کمرے میں آئے تھے۔"

ساتھ ہی اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ اُنہیں اپنے پاس بٹھایا جن کے چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی۔

"کیسی ہے میری بیٹی؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔لگ نہیں رہی کیا؟"

"تم اب یونیورسٹی کیوں نہیں جاتی؟پہلے تو بہت باقاعدگی سے جاتی تھی۔۔۔۔۔ہاں اگر نیند پوری ہو گئی ہو تو۔"

کہتے ہی دونوں ہنس پڑے۔وہ شاید اپنا گلٹ ختم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن سب کچھ بے کار تھا۔وہ جو بات کرنے آئے تھے وہ بھی نہیں کر پا رہے تھے۔

"اب تو مہینے ہو گئے بابا،یونیورسٹی کی شکل ہی نہیں دیکھی۔"
نظریں باہر سے آتی صبح کی مدھم روشنی پر ٹکی تھیں۔

"تمہارے لیے وہ مشعل بھی نہیں جاتی۔کہتی ہے اکیلی کیا کروں گی؟"

مسکرانے کی ناکام کوشش کی گئی لیکن حیام مسکرا بھی نہ سکی۔مشعل کا نام سُنتے ہی کل ہونے والا واقع نظروں کے سامنے گھوما۔

"اُسے کہیں کہ وہ چلی جائے۔فائنلز ہونے والے ہیں۔میں نہیں جاؤں گی اب۔"

"کیوں نہیں جاؤ گی؟"

حیام نے واپس اپنے باپ کو دیکھا۔وہ کیا بتاتی اُنہیں اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے رازوں سے واقف مگر ایک دوسرے کے لیے انجان تھے۔

"ابا!! میں پڑھنا نہیں چاہتی آگے۔آپ مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔میرا دل نہیں ہے بس۔۔۔"

"کچھ نہیں پوچھوں گا وعدہ ہے تمہارے بابا کا۔تم نے کہہ دیا تو کہہ دیا۔کوئی تمہیں جانے کا نہیں کہے گا۔"

اُنہوں نے اپنی بیٹی کا مان رکھا تھا۔وہ مزید کچھ کہنا چاہتے تھے،کچھ بتانا چاہتے تھے مگر ہچکچا رہے تھے۔وہ پوچھ لیتے تو بیٹی کا مان ٹوٹ جاتا۔شاید حیام نے اُن کی بے چینی محسوس کر لی تھی تب ہی بول پڑی۔

"بابا۔۔!! آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

لاڈ سے اپنے باپ کی بانہوں میں بانہیں ڈالیں۔

"کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن ڈر گیا ہوں میں۔"

وہ مسکرانے لگی۔

"آپ مجھ سے ڈر رہے ہیں،اپنی بیٹی سے؟ میں آپکی وہی حیام ہوں بابا جس سے آپ اپنی بیوی کی شکایتیں کیا کرتے تھے۔کہیں جو کہنا ہے۔میں آج بھی تمام شکایتیں

سنوں گی۔"

مصطفیٰ صاحب نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ اُسے مزید نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"شکایت ہی تو نہیں ہے مجھے کوئی۔ کاش کہ شکایت ہوتی تو ڈرتا نہیں۔"

"بابا آپ ٹھیک ہیں؟ آپ کی طبیعت۔۔۔۔"

حیام کے چہرے پر پریشانی نے اپنے سائے گہرے کیے۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ تم ٹھیک نہیں ہو نا بس اس لیے۔"

اُس نے مسکرانے کی سعی کی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں بالکل ٹھیک ہوں بابا۔ آپ۔۔۔"

مصطفیٰ صاحب نے اُس کی بات کاٹی۔

"میں نے پسند کی شادی کی تھی تمہاری اماں سے حیام۔ میں نے پہلے دن سے تمہارے لیے اتنے خواب دیکھے کہ تمہیں اپنے خوابوں میں بند، قید ایک بے جان چیز سمجھ لیا جس کے لیے میرے خواب پورے کرنا فرض تھا۔ لیکن یہ بھول گیا کہ تمہیں جو اتنی محبت دی ہے تم نے اُس محبت کا حساب مانگ لیا تو کیا دوں گا؟"

وہ بے بس سا مسکرائے۔

"لیکن تم نے تو حساب مانگا ہی نہیں۔ کیوں نہیں مانگا تم نے؟؟ کاش کہ تم مانگ لیتی تو آج۔۔۔" وقفہ لیا گیا۔۔۔ "آج تم تمام اَن چاہے رشتوں سے آزاد ہوتی۔"

چہرہ موڑ کر حیام کو دیکھا تو اُس کے چہرے پر ڈر عیاں پایا۔ وہ مزید ڈھے گئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔

وہ جو سمجھے تھے کہ اُن کی بیٹی کے چہرے پر جب اپنے لیے نفرت ہو گی تو کیسے سامنہ کریں گے۔ لیکن آج ڈر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ ہار گئے تھے، سب کچھ ہار گئے تھے۔ اپنی بیٹی کو کھو کر تو اُن کے پاس کچھ نہ بچا تھا۔

"بابا۔۔۔!"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُس کے بلانے پر آنکھیں وا کیے دیکھا تو اُس کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔ اُس کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

وہ کتنا غلط سمجھتی تھی کہ اُس کے بابا کو معلوم ہو گیا تو سب ختم ہو جائے گا مگر یہاں تو سب الٹ تھا۔ آج اُسے معلوم ہوا تھا کہ سب سید زادیوں کو مرنا نہیں پڑتا ہے۔

"آپ بس۔۔۔ بس مجھے اس رشتے سے آزاد کروا دیں۔ مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔ اب میں اپنے بابا کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے اماں بابا کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں چاہیے۔"

آنسو اُس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔ آج وہ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے سامنے پہلی مرتبہ رو رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ تمہارے بابا ہیں نا تمہارے ساتھ۔ ایک غلطی میں کر چکا ہوں، اب دوبارہ کوئی غلطی نہیں ہو گی۔ میں کچھ مانگوں تو دو گی؟"

کتنا مان تھا اُن کے لہجے میں۔

"آپ حیام بخاری سے اُس کی جان بھی مانگ لیں تو حاضر ہے۔"

"تم یہاں سے چلی جاؤ۔ تم گاؤں چلی جاؤ شاہ میر کے ساتھ۔ میں خود چھوڑ کر آؤں گا اپنی بیٹی کو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم آرز کے سامنے رہو۔ میں اپنی بیٹی کو زخمی نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ اُس سے اجازت مانگ رہے تھے۔ کیا انداز تھا، اُن کے اس انداز پر حیام قربان جاتی تھی۔

"بابا! میں چلی جاؤں گی۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی مگر آپ میری فکر مت کیجئے گا، میں رہ لوں گی۔ آپ اجازت نہ مانگا کریں، حکم دیا کریں۔"

وہ اپنے باپ کے ہاتھ تھامے اُن کی تکلیف بھی آہستہ آہستہ اپنے کرب میں انڈیل رہی تھی۔ وہ تمام دکھوں کو جھیل سکتی تھی لیکن اپنے بابا کو اُن کا حصہ نہیں بننے دے سکتی

تھی۔

"یہ وعدہ ہے تمہارے بابا کا کہ تمہیں وہاں نہیں چھوڑوں گا۔بہت جلد اپنی بیٹی کو لے آؤں گا۔اور اس منگنی کی فکر مت کرنا۔کوئی شادی نہیں ہو گی۔"

وہ روتے ہوئے مصطفیٰ صاحب کے سینے سے لگ گئی۔شاید بیٹیوں کی قربانیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔وقت بدل جاتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ قربانیوں کی ایک رسم چلتی رہے گی، گزرے زمانے میں بھی اور حال میں بھی۔لیکن حیام بخاری کی قربانیوں کی روداد بدل گئی تھی۔ایک قربانی اُس کی مرضی کے بغیر لی گئی تھی جبکہ ایک اُس نے اپنے بابا کے لیے خود اپنی مرضی سے دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ایسی قربانی جس نے اُس کی زندگی کے تمام پہلو بدل دینے تھے۔شاید اس سفر میں حیام بخاری، حیام بخاری نہ رہے اُس نے سوچا نہ تھا۔

ناشتے کے وقت ڈائننگ ٹیبل پر سب موجود تھے جب مصطفیٰ صاحب نے اپنی بات کا آغاز کیا۔

"شاہ میر! تم گاؤں کے لیے کب نکل رہے ہو؟"

"جی چچا جان!! بس تھوڑی دیر تک۔"شاہ میر نے جواب دیا۔

"ایسا کرو کہ شام تک رک جاؤ۔ تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

شاہ میر نے سر اُٹھا کر مصطفیٰ صاحب کو دیکھا۔

"خیریت چچا جان۔۔۔؟"

"میں نے یہ بھی پوچھا ہے کہ تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

شاہ میر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھا گیا۔

"نہیں مسئلہ تو کوئی نہیں۔۔۔" وقفہ۔ "دراصل میں اماں جی سے وعدہ کر چکا ہوں۔"

"اماں جی سے میں بات کر لوں گا۔ تم بس رک جاؤ۔ رکنے کا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ حیام تمہارے ساتھ گاؤں جائے گی آج۔۔۔۔۔اب وہیں رہے گی۔"

اُن کے کہنے کی دیر تھی ٹیبل پر موجود تمام لوگوں کو حیرانی نے آگھیرا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یوں اچانک۔۔۔۔"

حسن صاحب نے سوال کیا۔

"جی بھائی صاحب!! فیصلے تو اچانک ہی ہوا کرتے ہیں۔"

"مصطفیٰ تم آخر اُسے بھیجنا ہی کیوں چاہتے ہو؟ اُس کی پڑھائی، ہم سب یہاں ہیں۔ وہ

وہاں کیا کرے گی؟"

ندا بیگم نے اپنا حصہ ڈالا۔

"تائی امی! یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ میں خود جانا چاہتی ہوں۔"

حیام نے سب کے سوالوں کا رخ اپنے باپ کی جانب دیکھا تو بات خود پر لے لی۔

"لیکن کیوں بیٹا؟ تم چند دن گھومنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے جاؤ لیکن وہیں رہنے سے کیا مراد ہے؟"

"تائی امی!! میں تھک گئی ہوں اس شہر کی زندگی جی جی کر۔ مجھے آب وہوا میں تبدیلی چاہیے۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آرز حسن نے نظر اُٹھا کر اُسے غور سے دیکھا۔ کتنی بے بسی تھی اُس کے چہرے پر۔ اُسے خود پر غصہ آیا تھا کہ کیوں یہ سب کیا اُس نے؟

"اور تمہاری پڑھائی؟"

سوال بازل کی جانب سے آیا۔

"میں آگے پڑھنا نہیں چاہتی۔ اکثر پڑھائی ہمیں وہ سب نہیں سکھاتی جو زندگی سکھا دیتی ہے۔ پڑھائی نے مجھے کچھ نہیں سکھایا اور زندگی نے بہت کچھ۔"

وہ مسکرائی۔

"اور تایا جان آپ کیوں فکر کرتے ہیں؟ دو گھنٹوں کا سفر ہے جب جی چاہے آ جا سکتے ہیں آپ۔ اور میں کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔"

"حیام۔۔۔۔ پھر بھی۔ نائلہ تم کیوں نہیں سمجھاتی اسے؟"

ندا بیگم نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی۔

"تائی امی!! میں چاہتی ہوں جانا، دل سے۔ اگر آپ چاہیں گی تو نہیں جاؤں گی لیکن میں سچ میں جانا چاہتی ہوں۔"

وہ اُنہیں بے بس کر رہی تھی۔ گھر کے تمام افراد چپ تھے۔ وہ سب کو مطمئن کر کے جانا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی اور خوشی۔ لیکن تم روز رات کو ہم سے بات کرو گی ورنہ میں لینے آ جاؤں گا۔"

حسن صاحب نے اطمینان اور اداسی کے ملے جلے تاثرات کا اظہار کرتے جواب دیا۔

"پکا وعدہ۔" وہ مسکرائی۔

تمام لوگ مطمئن ہو چکے تھے سوائے آرز حسن اور مشعل حسن کے۔ ایک محبت میں

یوں اچانک آنے والی دوریوں سے ڈر گیا تھا۔وہ اُسے چھوڑ تو چکا تھا پر اُس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اُسے روز دیکھ تو لیتا تھا۔اب سب کچھ ختم ہونے لگا تھا صحیح معنوں میں۔تو دوسری طرف مشعل کو اپنے رویے پر مزید شرمندگی ہوئی۔وہ اپنے غصے میں شاید کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔وہ اُس کے یہاں سے جانے کو خود کا قصور سمجھ رہی تھی۔

"میں پیکنگ کر لوں۔"

وہ کرسی گھسیٹ کر وہاں سے اُٹھ گئی مگر پھر رکی۔

"اماں۔۔۔"

"جی میری جان!"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس سب میں نائلہ بخاری پہلی مرتبہ بولیں۔

"آخری مرتبہ اپنے ہاتھ کی بنی کافی پلا دیں۔"

اُس کی بات پر ماں کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔وہ فوراً اُٹھیں،ڈوپٹے کے کنارے سے آنکھوں میں موجود نمی صاف کی۔

"ابھی بنا کر لا رہی ہوں اپنی بیٹی کے لیے۔"

وہ مسکرا کر وہاں سے نکل گئی۔اُس کے جاتے ہی شاہ میر نے دوبارہ بات کا آغاز کیا۔

"چچا جان وہ میرے ساتھ اکیلی کیسے۔۔۔۔"

مصطفیٰ صاحب نے درمیان میں بات کاٹی۔

"میں ساتھ جاؤں گا تمہارے۔بے فکر رہو۔"

"بہت بہتر۔"

وہ خاموش ہو گیا۔اُس نے چہرہ موڑ آرز کو دیکھا جس کی نظریں ابھی تک اُس کرسی پر ٹکی تھیں جہاں سے وہ اُٹھ کر گئی تھی۔

"ابو میں بھی ساتھ جانا چاہتا ہوں۔چچا جان واپس اکیلے کیسے آئیں گے؟ میں ساتھ آ جاؤں گا۔"

"یہ تم نے اچھا سوچا۔چلے جانا۔"

حسن صاحب نے اجازت دی۔

وہ بیڈ پر کپڑے پھیلائے پیکنگ کرنے میں لگی تھی جب مشعل دروازہ کھولے اندر داخل ہوئی۔حیام نے اُسے ایک نظر دیکھ اپنا دھیان واپس چیزوں کی طرف کیا۔

"حیام!"

وہ کچھ نہ بولی۔

"مجھے بات کرنی ہے تم سے۔"

"بولو سُن رہی ہوں۔"

دھیان ہنوز اپنے کاموں کی جانب مبذول تھا۔

"تم مت جاؤ۔"

لہجہ روہانسا ہوا۔ جواباً حیام ہنسنے لگی۔

"اگر کوئی اور بات ہے تو کرو۔ مجھے بہت کام ہیں۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کہتے ہوئے الماری میں سے اور کپڑے نکالنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ واپس کبھی نہ آنے کے لیے جا رہی ہو۔

"تم تو کہتی تھی کہ حیام بخاری مشعل حسن تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں۔ اب تم چلی جاؤ گی تو مشعل مر جائے گی۔"

وہ باقاعدہ رو رہی تھی لیکن آج حیام بخاری کی آنکھوں سے ایک آنسو نہ نکلا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا مشعل۔ کل تم مجھے چھوڑ کر گئی تو مجھے بھی یہی لگا تھا پر

دیکھو نا میں تو زندہ ہوں۔سچ کہا تھا تم نے انتقام لے رہی ہوں میں اپنی ریجیکشن کا، کسی کو بتانا مت۔یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہنا چاہیے۔ٹھیک ہے؟"

حیام مسلسل مسکرا رہی تھی۔مشعل کے بہتے آنسو تھم گئے۔

"کتنی کٹھور ہو گئی ہو تم؟اگر تم چاہتی ہو کہ میں کل کے رویے کے لیے تم سے معافی مانگوں تو یہ لو ہاتھ جوڑتی ہوں۔تم معاف کر دو یار۔تم میری حیام نہیں ہو۔مجھے میری حیام واپس کر دو جو کسی کو پلٹ کر اُف تک نہ کرتی تھی۔جو اَن گنت رنگوں سے بھری تھی،ایسی بے رنگ تو نہ تھی۔"آنسو ایک مرتبہ پھر اُس کی آنکھوں سے ٹپکا ٹپکا بہنے لگے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"مر گئی ہے وہ حیام۔ابھی یہی ہے جو تمہارے سامنے ہے اور پلیز یہ رونے کا ڈرامہ کہیں اور جا کر کرو۔میں تھک گئی ہوں ان آنسوؤں کو دیکھ دیکھ کر۔خدا کا واسطہ ہے مشعل،چلی جاؤ یہاں سے۔"

غصہ چہرے پر سجائے حیام نے مشعل کے آگے ہاتھ جوڑے۔

اتنے میں نائلہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو حیام سیدھی ہوئی۔

"آجائیں اماں۔۔۔۔"

ساتھ ہی بیڈ پر سے کپڑے ایک طرف ہٹاتے ہوئے اُنہیں بیٹھنے کی جگہ دی اور اُن کے

ہاتھ سے کافی کا مگ پکڑا۔نائلہ بیگم نے مشعل کو روتے دیکھا تو منہ موڑ لیا۔

"بس جا رہی ہے یہ اماں، آپ بیٹھ جائیں۔"

حیام کے کہنے پر مشعل نے آنسو صاف کیے اور باہر نکل گئی۔

"بہت مزے کی ہے یہ کافی۔میں اسے بہت یاد کروں گی وہاں۔"

"حیام تم ٹھیک ہو؟"

"اماں آپ میری فکر نہ کریں۔مجھے بہت ساری باتیں کرنی ہیں آپ سے۔"

وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ماں کے ساتھ بیٹھ گئی۔اب جانے اُس کی باتیں کب ختم ہونی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

"اماں میں کہہ تو رہا ہوں شام تک نکلوں گا۔آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے میرے پاس۔"

شاہ میر کب سے باہر لان میں بیٹھا اماں بیگم کو اپنے دیر سے آنے کے لیے رضامند کر رہا تھا۔

"ارے پر اں کرو اُس سرپرائز کو۔مجھے تم دوپہر کھانے پر یہاں ملو۔"

وہ بضد تھیں۔

اتنے میں مصطفیٰ صاحب وہاں آئے اور شاہ میر کو موبائل دینے کا اشارہ کیا۔وہ خود بات کرنا چاہتے تھے اماں بیگم سے۔

"سلام خالہ اماں!"

اُن کی آواز سُن اماں بیگم یک دم خاموش ہوئیں۔

"وعلیکم السلام!"

"کیسی ہیں آپ؟"

وہ بات کرتے ہوئے وہیں شاہ میر کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"ٹھیک ہوں۔آج تمہیں کیسے یاد آگئی اپنی خالہ اماں کی۔۔؟"

"آپ تو ہمیشہ ہی یاد رہتی ہیں ہمیں۔"

"بس کردو میاں۔۔تم یاد کرتے تو کبھی یہاں کا چکر ہی لگا جاتے۔کتنے سالوں سے میں ہی تمہاری فکر میں آدھی گھوم رہی ہوں۔تم نے تو اپنی مری ماں کے رشتوں کا لحاظ تک نہ کیا کبھی۔"

جواباً مصطفیٰ صاحب جی بھر کے شرمندہ ہوئے۔

"ایسی باتیں نہ کریں۔اسی لیے تو بات کر رہا ہوں میں یہ بتانے کے لیے کہ شاہ میر کو ٹھہرنے کی اجازت دے دیں۔شام میں نکلیں گے۔میں ساتھ آرہا ہوں اور فکر نہ کریں دو دن ٹھہر کر جاؤں گا۔"

اب خاموش ہونے کی باری اُن کی تھی۔

"سچ میں آرہے ہو؟"

"بالکل سچ۔۔اور آپکی نواسی کو بھی ساتھ لا رہا ہوں۔حسن بھائی کا بیٹا بھی آئے گا۔تیاریاں کر لیں،بہت باتیں کرنی ہیں مجھے آپ سے۔"

"اب میں بوڑھی راہ تکتی رہوں گی۔تم بھی آجانا،وعدہ وفا کرو گے تو دل سے دعائیں نکلیں گی۔میں تیاریاں کروالوں۔فی امان اللہ۔"

"فی امان اللہ۔"اور لائن کاٹ دی۔

"مان گئیں ہیں؟"

شاہ میر ابھی تک وہیں تھا۔

"ہاں۔۔۔!"

اُسے واپس موبائل پکڑا کر اندر کا رخ کیا۔

اماں بیگم برآمدے میں اپنے معمول کے مطابق رکھے جھولے پر بیٹھیں تھیں۔جوں ہی فون بند کر کے پاس بیٹھیں خالدہ بیگم کو واپس تھمایا،وہ بول اُٹھیں۔

"کون تھا اماں؟اور شاہ میر آرہا ہے کہ نہیں؟"

"نہیں،شام میں نکلے گا۔مصطفیٰ اور بچے ساتھ آئیں گے۔تیاری کر لو۔"

حکم سُنتے ہی وہ اُٹھ کر اندر کو چل دیں لیکن اُنہیں راستے میں آواز دے کر روکا گیا۔

"بشیرا آئے تو بھیجنا اُسے۔پتہ نہیں کہاں رہ گئی ہے آج وہ۔۔۔۔دوپہر ہونے کو آئی ہے۔کوئی اتا پتہ ہی نہیں سیانی کا۔"

"جی اماں! بھیج دوں گی۔آپ کہتی ہیں تو ظفر کو بھجوا کر معلوم کروا لیتی ہوں کہ اب تک حاضری کیوں نہیں لگوائی۔۔۔"

"رہنے دے،نہ آئی تو کوئی مجبوری ہی رہی ہو گی۔اتنے سالوں میں قدم قدم ساتھ نبھاتی آئی ہے۔ہاں،اگر کچھ دیر تک نہ آئے تو بھجوا دینا۔اور ظفر سے کہیو کہ اُسے جس چیز کی لور ہو دے آئے۔"

"بہتر۔"

خالدہ بیگم کہتے ہی اندر چلیں گئیں۔اب تیاریاں کرنے کا وقت آیا تھا۔کتنے سالوں بعد وہ آرہا تھا حویلی میں۔آخر کو بھانجے بھی سگی اولاد سے ہی ہوتے ہیں۔اور تو اور نواسی، نواسا، پہلی بار قدم رکھنا تھا حویلی میں اور جب تک اماں بیگم زندہ تھیں، ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنی بہن کے خون سے بے وفائی کر جاتیں اور محبت میں خیانت۔آرز۔۔۔۔ہاں آرز، وہ نہیں آرہا تھا۔اُس کا انتظار تو سب سے بڑھ کر تھا۔تمام لوگ آجاتے تو اماں کے دل کو اطمینان اور خوشی مل جاتی۔لیکن وہ جو آجاتا تو سمجھو حویلی جی اُٹھتی۔اس حویلی میں تو پہلی مرتبہ چلنا سیکھا تھا اُس نے۔کچھ یادیں، کچھ باتیں، کچھ لوگ ہوتے ہیں نا جن سے یہ بڑی بڑی پُرانی عمارتوں کو بھی اُنسیت ہوتی ہے اور وہ تو پھر کوئی عمارت نہ تھی، حویلی تھی۔حویلی جہاں محبت کی کئی بنیادیں رکھی گئیں اور بہت سی ٹوٹیں بھی۔ کسی کے ہاتھ بہاریں آگئیں تو کسی کے ہاتھ خسارے۔لیکن آنے والے وقت کا فیصلہ ابھی ہونا تھا یا شاید ہو چکا تھا۔اگر تو ہو چکا تھا تو بہت دھندلا تھا۔ہر ایک نے اپنی زندگیوں کی ڈوریں وقت کے ہاتھ دے دیں تھیں اور قسمت کا پہیہ کہاں، کس موڑ پر مڑنا تھا وہ کسے معلوم تھا؟کسی کو بھی نہیں۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھیں کہ اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس پا کر واپس حال میں لوٹیں۔سامنے کرن چادر اوڑھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔اُسے دیکھ فوراً مسکراہٹ نے اپنے پر پھیلائے۔

"آجا میری گڑیا۔۔۔آمیرے پاس۔۔"

اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جیسے کہ اُس کا ہاتھ تھامنا چاہتی ہوں۔اُس نے بھی فوراً اپنا ہاتھ اُن کی ہتھیلی پر پھیلایا۔

"اماں! سلام۔۔۔۔"

ساتھ ہی اُن کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہے میری گڑیا؟؟"

"میں ٹھیک ہوں۔آپ بتائیں؟"

"تجھے دیکھ لیا ہے تو بالکل سوکھی (اچھی) ہو گئی ہوں۔" وہ برابر مسکرا رہیں تھیں۔

"ایک بات پوچھوں۔۔۔؟"

"پوچھ۔۔۔"

"آپ مجھ سے ایسے برتاؤ کیوں کرتی ہیں اماں جیسے کہ میں بچی ہوں کوئی؟ بھلی چنگی جوان ہو گئی ہوں۔"

اُس کی بات پر وہ ہنس دیں۔

"تو جوان ہو یا بڑھاپے میں آ جائے، میرے لیے بچی ہی رہے گی۔ پوری حویلی میں سب سے پیاری ہے تو مجھے۔"

"جھوٹ نہیں بولتے اماں۔۔۔!! آپ کو سب سے پیارے شاہ میر بھائی ہیں۔"

شاہ میر کا نام سُنتے ہی اماں کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔

"ہاں، وہ تو بہت سوہنا ہے مجھ بوڑھی کو۔ لیکن تو تو شہزادی ہے اس حویلی کی اور شہزادیوں کا شہزادوں سے کیا مقابلہ۔۔؟"

"پھر بھی ہار جاؤں گی۔ میرے مقابلے پر منال اور مناہل بھی تو ہیں۔"

"مناہل تو ابھی بالڑی ہے، بہت کچھ سیکھنا ہے اُسے اور منال، وہ۔۔۔۔۔ وہ تو تیری اماں کو دیکھ منہ موڑ لیتی ہے۔ بولتی ہی نہیں مجھ بوڑھی سے۔"

منال کا نام لیتے ہی آنکھوں میں اداسی چھا گئی۔

"نہیں، وہ بس تھوڑا سا ناراض ہے آپ سے۔ آپ منائیں گی نا اماں تو مان جائے گی۔ میں جانتی ہوں اُسے۔"

اماں کا ہاتھ تھپتھپاتی وہ اُنہیں سمجھا رہی تھی۔

"وہ ماننے کی بہت بڑی قیمت مانگے ہے کملی اور میں اُسے وہ قیمت نہیں دے سکتی۔"

خلا میں گھورتیں وہ جانے کون سی قیمت کا حوالہ دے رہیں تھیں۔

"کون سی قیمت اماں؟اُس نے مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔اُسے کسی قیمت کی کیا ضرورت ہے؟ پاگل ہے وہ، میں بات کروں گی وہ مان جائے گی۔آپ فکر نہ کریں۔"

وہ بھی کہاں اپنی اماں کو اداس دیکھ سکتی تھی۔فوراً نجانے کتنی دلیلیں، تسلیاں،اُن کو اوڑھتی بے فکر کر رہی تھی۔

"بے بے تُو ٹھیک نہیں ہے تو میں حویلی سے کسی کو بلا لاتی ہوں۔"

سعدیہ کب سے بشیرا کے پاس بیٹھی منانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں، کملیے میں ٹھیک ہوں۔بس تھوڑا جیا بخار ای اے۔تیرے ساتھ رات باہر جو بیٹھی رہی آں۔تو فکر نہ کر صبح تک بھلی چنگی ہو جاؤں گی۔"

نقاہت زدہ آواز میں بولتیں وہ پہلے سے مزید کمزور لگ رہیں تھیں۔سعدیہ وہاں سے اُٹھ کر باہر آئی اور پانی کا نل کھولا۔ہاتھ پانی کے نیچے کر کے معلوم کیا، پانی سچ میں ٹھنڈا برف تھا۔شاید سردی کا اثر تھا۔برتنوں کو ادھر اُدھر کر ایک سٹیل کا پیالہ نکال کر پانی لیا۔ساتھ ہی اپنا دوپٹہ ایک طرف سے پھاڑ کر پانی میں بھگو دیا۔ساتھ ساتھ وہ چولہے پر دودھ چڑھائے اُسے پکار رہی تھی۔جب دودھ پک پک کر آدھا رہ گیا تو اُسے گلاس میں

اُنڈیلا اور دونوں چیزیں لے کر اندر کمرے میں واپس آ گئی۔

"چل بے بے اُٹھ ہمت کر۔ گرم دودھ پی لے، پھر دوا دوں گی میں تجھے۔ ٹھیک ہو جائے گی تو۔ چل اُٹھ جانا پھر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھی رکھنی ہیں۔"

وہ اُنہیں اُٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"نی پاگل ہو گئی ہے؟ ایک طرف ماں کو گرم دودھ پلا رہی اور دوسری طرف ٹھنڈی پٹیاں۔۔۔ گرم سرد کروا دے گی تو۔ تیرے ہاتھوں ہی مروں گی میں۔"

اپنی ماں کو سُن اُسے ہنسی آنے لگی۔

"بس کر دے بے بے۔ یہ وہم نکال دے، اُٹھ جا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

مصنوعی غصہ دکھاتی وہ اُنہیں بولنے لگی۔

"جا کملیے پیچھے ہٹ۔ تجھ سے برا ویسے وی کوئی نہیں۔"

مجبوراً اُنہیں اُٹھنا پڑا اور گرم دودھ بھی پینا پڑا۔ دودھ آدھا پیتے ہی اُس نے وہ چھوڑ دیا۔

سعدیہ نے گھورا۔

"میں ہن وہ تیری ماں ہی ہوں، تو میری ماں نہ بن۔"

کہتے ہی وہ لیٹ گئیں۔

"آخری مرتبہ تجھے معافی دے رہی ہوں بے بے۔"

وہ ساتھ ساتھ ٹھنڈے پانی میں بھگوئے کپڑے کو نچوڑ کر اُس کی تاثیر اپنی ماں کے ماتھے پر رکھ وجود میں اُتارنے لگی۔

مشعل اپنے کمرے میں بیٹھی مسلسل رہ رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتی تھیں۔ پھر اُن کے رشتوں میں یہ دوریاں کیسے آ گئیں۔۔؟ وہ سمجھنا چاہتی تھی۔ مشعل تو صرف اتنا چاہتی تھی کہ حیام اپنے چُنے ہوئے راستے پر چلتی کسی اندیکھی کھائی میں نہ گر جائے اور زندگی بھر کے پچھتاوے نہ رہ جائیں۔ وہ مان رہی تھی کہ اُس نے حیام کو بہت برا کہا لیکن وہ تمام باتیں سچ تھیں۔ یہ گھر جہاں کبھی خوشیوں کا بسیرا ہوا کرتا تھا، آج میدانِ جنگ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

مشعل نے روتے ہوئے اپنا موبائل پکڑا اور پری کو کال کی۔ شاید دوسری جانب سے پہلی ہی گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"پری۔۔۔۔"

مشعل اب بھی رو رہی تھی۔ پری کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

"کیا ہوا ہے مشعل؟ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟ بتاؤ مجھے۔۔۔"

اُس کے کسی سوال پر بھی مشعل نے جواب نہ دیا، بس روتی رہی۔

"مشعل! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ تم ٹھیک ہو نا؟"

"پری۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔وہ جا رہی ہے۔"

آنسوؤں کے درمیان بامشکل بولتی وہ اُسے اطلاع دے رہی تھی۔

"کون جا رہی ہے؟"

پری نے سمجھنے کی کوشش کی۔

"حیام۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

روتے ہوئے ایک مرتبہ پھر جواب دیا گیا۔

"حیام۔؟ وہ کہاں جا رہی ہے؟"

"گاؤں۔۔۔۔۔ کہتی ہے اب وہیں رہے گی۔۔۔۔۔۔۔"

پری کو حیرت ہوئی۔

"ہمیشہ کے لیے؟؟ کیوں مشعل؟"

"مجھے نہیں پتہ۔۔۔۔۔بس تم آجاؤ۔ پری اُسے روک لو۔ وہ مجھ سے بہت ناراض ہے۔

میری کوئی بات نہیں سُن رہی۔ تم آ رہی ہو نا؟"

مشعل اُس سے التجا کر رہی تھی۔

"میں آ رہی ہوں۔ تم فکر نہ کرو، وہ نہیں جائے گی۔"

ساتھ ہی پری نے فون بند کر دیا۔

مشعل نے روتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی اور حیام کی فریم شدہ تصویر کو دیکھا۔ ایک مرتبہ پھر رونے میں شدت آئی۔ ایک کام وہ کر چکی تھی، اب ایک اور کام رہتا تھا جسے کرنا بہت ضروری تھا۔

وہ سست قدم اُٹھاتی اپنے کمرے سے نکلی اور آرز کے کمرے کی جانب چلنے لگی۔

دروازے پر پہنچ کر اپنا ہاتھ دستک کے لیے بڑھایا مگر پھر رک گئی۔ اُس نے اپنے بھائی کو بھی تو کتنا کچھ کہا تھا۔ کیسے سامنا کرتی وہ اُس کا؟ آنسو لگاتار اُس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

بہت ہمت کر کے اُس نے دروازے پر دستک دی اور ناب گھما کر اندر گئی۔ کمرے میں آرز کے ساتھ شاہ میر بھی موجود تھا۔ مشعل کی بکھری حالت دونوں کو حیران کر گئی۔

مشعل نے آرز کو التجائی نظروں سے دیکھا۔ وہ فوراً سے پہلے اُٹھ کر مشعل کے قریب گیا اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اپنے بھائی کو اپنے پاس پا کر وہ ہچکیوں سمیت رو دی۔ آرز نے آنکھیں موندے گہری سانس بھری۔ کتنی اذیت تھی اُس کے رونے میں، وہ کیا

کچھ کر گیا تھا۔اُس کی ایک غلطی کی سزا اُس کے تمام رشتے بھگت رہے تھے۔آرز اُسے بیڈ تک لایا اور اُسے اپنے ساتھ بٹھایا۔جبکہ شاہ میر نے کھلا دروازہ بند کیا اور کمرے کے وسط میں رکھی میز پر سے پانی کا گلاس اُٹھا کر آرز کو تھمایا۔آرز نے مشعل کی جانب پانی سے بھرا گلاس بڑھایا لیکن اُس نے انکار کر دیا اور مسلسل روتی گئی۔

"کیا ہوا ہے گڑیا؟ کیوں رو رہی ہو ایسے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟"

مشعل کے ہاتھ تھامے وہ اُس سے سوال کر رہا تھا۔

"بھائی مجھ سے غلطی ہو گئی۔وہ۔۔۔۔وہ حیام۔۔۔وہ میری وجہ سے جا رہی ہے۔"

"تمہاری وجہ سے؟ تم مذاق کر رہی ہو؟ وہ تم سے ناراض نہیں ہے۔وہ مجھ سے ناراض ہے اور میری وجہ سے جا رہی ہے۔"

آرز کو ایک مرتبہ پھر اپنا دکھ یاد آ گیا۔

"نہیں،اب کی بار آپ نے کچھ نہیں کیا۔میں نے کیا ہے۔"

آرز کو ایک دم پریشانی نے آ گھیرا۔

"کیا کیا ہے تم نے؟"

اُس کی آواز میں بے چینی واضح تھی۔

"میں نے اُسے بہت برا بھلا کہا۔ میں نے اُسے چھوڑ دیا یہ کہہ کر کہ وہ غلطی پر ہے۔ یہ بھی کہا کہ وہ مطلبی ہے۔ لیکن دیکھیں نا میں نے اُسے مکمل نہیں چھوڑا تھا۔ پر اب وہ مجھے مکمل چھوڑ رہی ہے۔ اُسے معلوم ہے میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

وہ روتے ہوئے ایک مرتبہ پھر آرز کے گلے لگ گئی۔

"تم تو جانتی تھی مشعل کہ وہ۔۔۔ بس وہ ہی تو مطلبی نہیں تھی ہم سب میں۔ تم نے یہ کیا کر دیا؟ بازل ٹھیک کہتا ہے کہ ہم نے اُسے اپنا سمجھا ہی نہیں۔ اُس کی ذات پر لگنے والی ہر ٹھوکر ہماری دی گئی ہے۔"

آرز کی آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔ شاہ میر بس تماشائی بنے سب دیکھ رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے۔۔۔ آپ کی بے بنیاد جنگ میں آپ ہار گئے ہیں آج اور آپ کے ساتھ ساتھ میں بھی ہار گئی ہوں۔ اور بازل بھائی۔۔۔ اُن کو تو آپ جانتے ہیں نا کہ۔۔۔۔"

آرز نے مشعل کی بات درمیان سے اُچک لی۔

"وہ پاگل ہے حیام کے لیے۔ اُس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی مزید بہا تو کچھ بھی کر گزرے گا وہ۔"

"بھائی! میں نے آپ کو چھوڑا تھا نا۔ آپ کو چھوڑ کر دیکھیں میرے ہاتھ خالی رہ گئے ہیں۔ میں بازل بھائی کو نہیں کھونا چاہتی۔"

"تو یہ طے ہوا کہ آرز حسن کی ذات سے جڑا ہر رشتہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔اور اب۔۔"

آرز نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بازل بھائی کی باری ہے۔پری۔۔۔پری تو آرہی ہے۔اُسے سب معلوم ہو جائے گا۔ یہ کیا کر دیا آپ نے اپنے رشتوں کے ساتھ۔ایک مرتبہ آپ نے کوشش تو کی ہوتی۔ اگر آپ اُس سے محبت نہیں کرتے تھے تو کیوں اُسے محبت کرنے پر اکسایا۔"

مشعل چیختی ہوئی کھڑی ہو گئی۔اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی اُنہیں کھینچ رہی تھی۔ آرز کی آنکھوں میں موجود آنسو بہہ گئے۔اُس کی بہن ایک مرتبہ پھر اُس سے دور جا رہی تھی۔ایک مرتبہ وہ کچھ نہ کر سکا تھا لیکن اس مرتبہ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔اُسے بتانا چاہتا تھا لیکن اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔

"ایک بات یاد رکھیے گا میری بھائی!! مکافاتِ عمل کے لیے تیار رہیے گا۔آج وہ آپ کی وجہ سے جل رہی ہے،ایک دن مجھے بھی اُسی آگ میں جلتے دیکھنے کے لیے تیار رہیے گا۔"

آرز نے اُس کے منہ سے اگلتا زہر آنکھیں موندے نگلنا چاہا۔اُس کی تمام ہمت جواب دے گئی تھی۔ مشعل مڑ کر کمرے سے نکلنے لگی جب شاہ میر بول پڑا۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو آرز سے؟جواب دینا پسند کرو گی؟"

آرزنے آنکھیں کھولیں جبکہ مشعل واپس چل کر شاہ میر کے برابر کھڑی ہوئی۔

"میں آپ کو جوابدہ نہیں ہوں مسٹر شاہ میر!"

اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بے خوفی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

"لیکن تمہیں جواب دینا پڑے گا۔"

وہ مشعل کو باقاعدہ گھور رہا تھا۔

"یہ آپ کی حویلی نہیں ہے جہاں ہر کوئی آپ کو جواب دینے کا پابند ہے۔یہ شہر ہے اور یہ میرا گھر ہے۔یہاں آپ کو آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا۔" وہ چلا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیا تم جانتی بھی ہو کہ جس کو مکافاتِ عمل سے ڈرا کر جا رہی ہو،اُس نے اتنی بڑی قربانی کیوں دی ہے؟کچھ بھی نہیں جانتی تم۔۔۔"

"شاہ میر۔۔۔۔۔"

آرزنے اُسے تنبیہ کی لیکن اُس نے ان سنی کر دی۔

"تو چپ رہ اسے کچھ نہیں معلوم تب ہی اتنا سر چڑھ رہی ہے۔اگر یہ میری بہن ہوتی نا اس وقت تو اپنے پاؤں پر سلامت نہ کھڑی ہوتی۔"

شاہ میر کی آنکھوں سے غصہ چھلک رہا تھا۔

"ترس آرہا ہے مجھے اس وقت آپ کی بہن پر کہ اُسے آپ جیسا بھائی ملا ہے اور آپ یہ باتیں تو ہر گز مت کریں کہ میں کچھ جانتی نہیں، سب جانتی ہوں میں۔ یہاں یہ شاید آپ بھول رہے ہیں کہ آپ غیر ہیں اور میں سگی ہوں ان کی۔"

وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ غصے کے مارے اُس کی آنکھوں میں لالی اُترنے لگی تھی۔

"اچھا!!! سب جانتی ہو پھر یہ بھی جانتی ہو گی کہ آرزنے یہ سب تمہارے لیے کیا ہے؟ جانتی ہو نا؟؟"

شاہ میر کی اس بات پر مشعل کی سماعتوں پر ایک بوجھ آکر گرا۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔ اُس کی وجہ سے، نہیں اُس کی وجہ سے تو کچھ نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ تو آرز حسن نے خود کیا تھا۔ اب غصے کی جگہ بے بسی نے مشعل کی آنکھوں میں جگہ بنائی۔ آنسو ایک مرتبہ پھر بہنے لگے۔

"جھوٹ۔۔۔ جھوٹ بول رہے ہیں آپ، ہے نا؟ بس مجھ سے بدلہ لے رہے ہیں۔"

کتنی بے بسی تھی اُس کے لہجے میں۔ کتنے خدشات تھے۔

"اوہو۔۔۔!! تم تو کچھ جانتی ہی نہیں۔ تم تو سگی ہو نا؟ تمہیں نہیں بتایا اس نے؟"

مشعل کی حالت شاہ میر کو گیر کرتی رہی لیکن وہ کٹھور ہو گیا۔ جبکہ آرز حسن نظریں جھکائے آنسو بہا رہا تھا۔

کون کہتا ہے کہ مرد نہیں روتا یا جو مرد رو لے وہ کمزور ہوتا ہے؟ آج وہ مرد ہو کر رو رہا تھا۔ اُس نے اپنے رشتوں کے لیے اپنی خوشیوں کی قربانی دے ڈالی تھی۔ اپنوں کا دل رکھتے ہوئے اپنا دل نکال پھینکا تھا اور بدلے میں اُسے کیا ملا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔۔ اُس کی آنکھوں سے لے کر اُس کا دل، اُس کے ہاتھ اور سب سے بڑھ کر اُس کی روح سب خالی تھا۔

"بھائی!! بھائی بتائیں نا انہیں کہ آپ نے میرے لیے کچھ نہیں کیا۔"

وہ وہیں کھڑی سوالی تھی۔ چہرہ موڑ کر بھی آرز کو نہ دیکھا تھا۔ مشعل کو تمام خدشات صحیح ہونے کے امکانات نظر آئے۔

"وہ کیا بتائے گا، میں بتاتا ہوں۔ ٹھیک کہتی ہو تم کہ مکافاتِ عمل تو ہونا ہی ہے۔ آج حیام ہے تو کل تم ہو گی۔ ایک مکافاتِ عمل سے تمہیں بچانے کے لیے اُس نے تمہیں دوسرے مکافاتِ عمل میں دھکیل دیا تو یقیناً غلط ہی ہو گا، پر تمہاری نظر میں۔ لیکن میری ایک بات یاد رکھنا کہ تمہیں بچاتے بچاتے وہ خود جہنم میں گر گیا ہے۔ دھیان سے دیکھو نا تمہارا بھائی جل رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ شدت سے رو رہی تھی۔

"اگر یہ پری کے رشتے کے لیے انکار کرتا تو اُسکی عزت کا تماشا لگتا، چچی تو پہلے ہی بات کر چکیں تھیں۔ پری کی بات تو گھر میں رہ جاتی لیکن جب تمہاری بات آتی نا تو بات گھر میں کہاں رہنی تھی۔ تمہاری عزت کا خیال کیا اس نے۔ یہ چاہتا تو تمہیں نہ چنتا، چچا چچی کی عزت کو بھی جانے دیتا اور حیام کا ہاتھ تھام لیتا۔ لیکن جب وقت آتا تو تم تکلیف میں ہوتی اور تمہارے بھائی کو یہ گوارا نہ تھا۔ ہاں اس طرح کر کے وہ حیام کو مار رہا تھا لیکن غور سے دیکھو اسے۔۔۔۔ یہ خود بھی مر گیا ہے۔ اس نے تمہیں اکیلا نہیں جلنے دیا۔"

وہ مشعل کو کھینچتے آرز کے سامنے لا کھڑا ہوا۔

"اس طرح شاید تمہاری تکلیف کم ہو جائے۔۔"

وہ گھٹنوں کے بل وہیں آرز کے سامنے، اُس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"بھائی!! آپ۔۔۔۔"

ابھی اس سے پہلے وہ کچھ کہتی بازل دروازہ کھولے اندر داخل ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"آپ لوگوں کی آوازیں باہر تک آ رہیں ہیں۔ ذرا نیچا بولیں، کوئی بڑا سن لے گا تو مسئلہ ہو جائے گا۔"

سب نے چہرہ موڑے اُسے دیکھا۔

وہ جانے کے لیے مڑا لیکن واپس چلتا ہوا آرز تک آیا۔ وہاں سب کی ہی آنکھیں نم تھیں سوائے شاہ میر کے۔ وہ رونا نہیں چاہتا تھا۔

"آرز یہ۔۔۔۔۔ یہ لے لے۔"

بازل نے جھک کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر انگوٹھی رکھی۔ آرز نے دیکھتے ہی حیران نظروں سے بازل کو دیکھا۔

"یہ انگوٹھی وہی ہے جو میں نے اُسے پہنائی تھی۔ اُس نے واپس کر دی ہے۔ چچا نے کہا ہے مجھ سے یہ شادی اب نہیں ہو گی۔ میں سننا نہیں چاہتا تھا یہاں ہونے والی کوئی بھی بات لیکن تم سب کی آوازیں باہر آ رہیں تھیں تو سن لیا۔ سن کے لگا کہ یہ تیری امانت ہے میرے پاس تو بس دینے آ گیا۔"

وہ ایک مرتبہ پھر صفائی پیش کر رہا تھا۔

"بازل۔۔۔۔۔!! تو محبت کرتا ہے اُس سے؟"

آرز کے چہرے پر درد تھا جسے دیکھ بازل مسکرایا۔

"نہیں، پاگل وہ تو تجھے تکلیف دینے کے لیے کیا تھا۔ بھائی ہوں میں اُس کا۔"

وہ آرز کے سامنے بیٹھا بالکل مشعل کے ساتھ۔اُس کے ہاتھوں کو تھامے کہنے لگا۔

"تو فکر نہیں کر تو نے مجھے کچھ نہیں بتایا، میں پھر بھی ناراض نہیں ہوں۔ لیکن یہ منگنی ٹوٹنے کی بات کسی کو نہیں معلوم۔ میں گاؤں جاؤں گا تو خالہ اماں سے کہہ کر آؤں گا کسی کی باتوں میں نہ آیئے گا۔ ضرورت پڑی تو تیرا حوالہ بھی دے دوں گا۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن۔۔؟" اب کی بار مشعل بولی۔

"لیکن میرے جانے کے بعد تم دونوں امی ابو سے کچھ مت کہنا۔ میں خود آ کر بتا دوں گا اُنہیں۔ ابھی بتا دیا تو وہ حیام کو کبھی جانے نہیں دیں گے۔ اُس کے لیے کوئی مشکل مت کھڑی کرنا۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ التجا کر رہا تھا۔

"میں یہی تو چاہتی ہوں کہ وہ نہ جائے۔"

مشعل نے اپنی رائے دی۔

"اُسے جانے دو۔ آگے ہی بہت تکلیفیں ہم سب دے چکے ہیں اُسے۔ وہ چلی جائے گی تو کچھ دن سکون سے رہ لے گی۔"

آرز کے الفاظ اُس کے دل، اُس کے چہرے کے ساتھ انصاف نہ کر رہے تھے۔ وہ چاہتا

کچھ تھا اور بول کچھ رہا تھا۔

"شاہ میر بھائی۔۔"

بازل نے کچھ کہنا چاہا لیکن شاہ میر نے اُس کے کاندھے تھپتھپاتے تسلی دی۔

"میں اُس کا خیال رکھوں گا۔اُسے کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

آرز کو دیکھتا وہ وہاں موجود اُن تینوں کو تسلی دے رہا تھا۔شاہ میر نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو بول پڑا۔

"چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

باہر دور کہیں عصر کی اذان ہوتی سنائی دے رہی تھی۔چونکہ سردیوں کے دن تھے جلد ہی اندھیرا ہونے لگا تھا۔آرز کے دل کو کچھ ہوا تھا۔وہ کیسے اُسے جانے دیتا۔باہر گیٹ پر گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی، جسے سن کر مشعل ہوش میں آئی۔

"پری۔۔۔پری آئی ہے۔میں نے بلایا تھا اُسے کہ وہ حیام کو روک لے۔"

اُس کی آواز میں گھبراہٹ مقید تھی۔

"فکر مت کرو۔وہ نہیں رکے گی۔"

آرز نے ایک مرتبہ پھر خود کو مضبوط کرنا چاہا لیکن اُس کے دل سے رستا خون صرف

وہی محسوس کر رہا تھا۔

سب لوگ ہال میں موجود تھے سوائے آرز حسن کے۔گھر کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حیام کا رخ باہر کی جانب تھا لیکن اُس کے قدم انکاری تھے۔وہ چاہتے تھے کہ کوئی تو ہو جو روک لے۔اب تک وہ جہاں جیتی آئی تھی کیسے چلی جاتی۔۔؟اُس کا کمرہ،اُس کے کمرے سے وابستہ ایک ایک چیز اُسے پیاری تھی۔آج وہ جو جا رہی تھی تو اُس کا کمرہ رو رہا تھا۔اُس کے کمرے کو اُس کے بغیر رہنے کی عادت کہاں تھی۔اب جب حیام کی خوشبو نہ رہے گی تو کیا ہو گا؟؟

وہ اپنی ماں سے لپٹی کتنی دیر یوں ہی کھڑی رہی۔اپنی ماں کی خوشبو،اُن کا لمس خود میں قید کرنا چاہتی تھی جیسے۔نائلہ بیگم رو رہیں تھیں،رو تو سب ہی رہے تھے۔شاید اُس پورے گھر کو اُس کے بناء جینے اور رہنے کی عادت نہ تھی۔لیکن عادتوں کا کیا ہے؟ کبھی نہ کبھی تو بدلنی ہی پڑتیں ہیں نا۔

"اماں!بس کر دیں۔ایسے کریں گی تو کیسے جاؤں گی میں؟"

وہ مسکرائی مگر زیادہ دیر مسکرا بھی نہ سکی۔نہ چاہتے ہوئے بھی دو آنسو کے موتی ٹوٹ کر اُس کے رخسار پر بکھرے۔

"میں جلد آجاؤں گی، وعدہ!"

اپنی ماں کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھامتی وہ عہد وپیماں باندھ رہی تھی۔ جو نجانے پورے ہونے بھی تھے یا نہیں۔

نائلہ بیگم نے اُس کا ماتھا چوما تو وہ ایک مرتبہ پھر مسکرائی۔ ندا بیگم سے ملی، اور مشعل۔۔ اُس سے ملنا تو مجبوری تھا یا شاید محبت۔ ہاں ضرور محبت میں ہی کوئی مجبوری رہی ہو گی۔ ورنہ اُس کے بغیر وہ کیسے جی سکتی تھی۔ حسن صاحب نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ اُن کے سینے سے جا لگی۔ یکدم ایک خوف سا اُٹھا تھا کہ نجانے دوبارہ کبھی اُنہیں دیکھ سکے گی یا نہیں اور بعض خوف ایسے ہوتے ہیں جو حقیقت کا لبادہ اوڑھے قدم جماتے ہیں۔

اُس کے جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ بہت ہمت کر کے وہ باہر کی جانب چلنے لگی۔ سب باہر نکل چکے تھے جب پری نے اُس کا ہاتھ تھامے اُسے روکا۔ حیام نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔ مشعل بھی وہیں موجود تھی، آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھری۔

"حیام! تم کیوں جا رہی ہو؟ اور تم دونوں میں کیا ناراضگی ہے؟ خدارا اُسے ختم کر کے جاؤ۔"

حیام کی نگاہیں اپنے ہاتھ پر دھرے پری کے ہاتھ میں سجی آرز کے نام کی انگوٹھی پر ٹکی تھیں۔ وہ مسکرائی اور نظریں اُٹھا کر پری کو دیکھا۔

"ہاتھ چھوڑ دو میرا۔ مجھ سے ہمدردی تمہیں بہت مہنگی پڑ گئی ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

پری نے ہاتھ نہ چھوڑا تھا نتیجتاً حیام نے ہی اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر سے ہٹایا۔

"کس چیز کی معافی مانگ رہی ہو تم؟"

"مجھ سے مت پوچھو، میں بتا نہیں سکوں گی اور اگر تم جان لو تو میں آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔ میں چلی جاؤں تو جھٹ سے مشعل کا ہاتھ تھام کر اُسے قسم دے دینا۔ سب کچھ کھول کر تمہارے سامنے رکھ دے گی۔"

حیام جانے کے لیے واپس مڑی لیکن قدم نہیں بڑھائے۔ چہرہ موڑ کر ایک مرتبہ پھر پری کو دیکھا۔

"مجھ سے نفرت مت کرنا پریشے!"

ایک نگاہ مشعل کو دیکھ وہ باہر نکلتی چلی گئی۔

سب کو ایک نگاہ دیکھ اُسکی نگاہیں ایک مرتبہ پھر سے اپنی ماں پر ٹکیں جو مسلسل رو رہی تھیں، وہ مسکرائی۔ بازل نے اُس کے لیے گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔

دروازے کو تھام نجانے اُس کے دل میں کیا آیا تھا، نظر اُٹھا کر سامنے اُس سنگدل کے کمرے سے منسلک بالکونی کو دیکھا تو وہ دشمنِ جاں وہیں ریلنگ پر ہاتھ جمائے جھکا کھڑا

تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ لمحے دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ آج پھر دونوں کی نگاہوں میں رقم کہانی ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ہاں تکلیف ایک سی تھی لیکن ایک کا دل خالی تھا جبکہ دوسرے کا بھر چکا تھا۔ آج پھر حیام بخاری نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اُس کے ساتھ مصطفیٰ صاحب بیٹھے تھے۔ بازل، شاہ میر کے ساتھ آگے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ گاڑی چل پڑی تھی۔ جوں ہی گاڑی گیٹ سے باہر نکلتی گھر کی دیوار پار کر گئی حیام نے چہرہ موڑ کر ایک مرتبہ پھر دیکھنا چاہا لیکن منظر آہستہ آہستہ نظروں سے دور جا رہا تھا۔ حیام بخاری کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہونے کو تھا جو کہ بہت ظالم ثابت ہونا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

یک لفظی بہانہ ہے

تباہی کا ٹھکانہ ہے

جسے تم موج کہتی ہو

سراسر موت ہے پگلی

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

فقط حرفی مجموعہ ہے

اصل میں کھوٹ ہے یکسر

نہ اظہار ہوتا ہے

اور نہ اقرار ہوتا ہے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

محض یہ جھوٹ ہوتا ہے

ابھی نادان جو ہو تم

مگر جب جان جاؤ گی

فقط آنسو ہی پاؤ گی

محبت کیا ہے؟

اک لمبی کہانی ہے

محبت کی زبانی ہے

ہوئی برباد جو ہے

خود کے ہاتھوں ہی

ابھی تو بین باقی ہے

ناکافی یہ آہیں ہیں

محبت کیا ہے؟

سراسر جھول ہے اس میں

کہ تم نے تو سُنی کب ہیں

روح کی سسکیاں پاگل

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کہ جب یہ دل سسکتا ہے

فسوں چھاتا ہے ماتم کا

محبت کیا ہے؟

رقم اک داستاں ہے یہ

یادوں کے کوڑے کاغذ پر

نصیبوں کی سیاہی ہے

جو تم کو خاک کرتی ہے

در در پر رول دیتی ہے

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

ستر نگی نین کٹوروں کو

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لہو سے لیس کرتی ہے

آخر میں یہ تنہائی کو

سزا کا نام دیتی ہے

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

(از قلم سیدہ انعم بخاری)

نجانے حیام بخاری کی محبت کے سفر کا اختتام ہوا تھا یا ابھی ہونا باقی تھا؟ تو طے ہوا محبت کا یہ سفر ادھورا ہی رہ جانے کے لیے بنا تھا۔

❤ جاری ہے ❤

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین